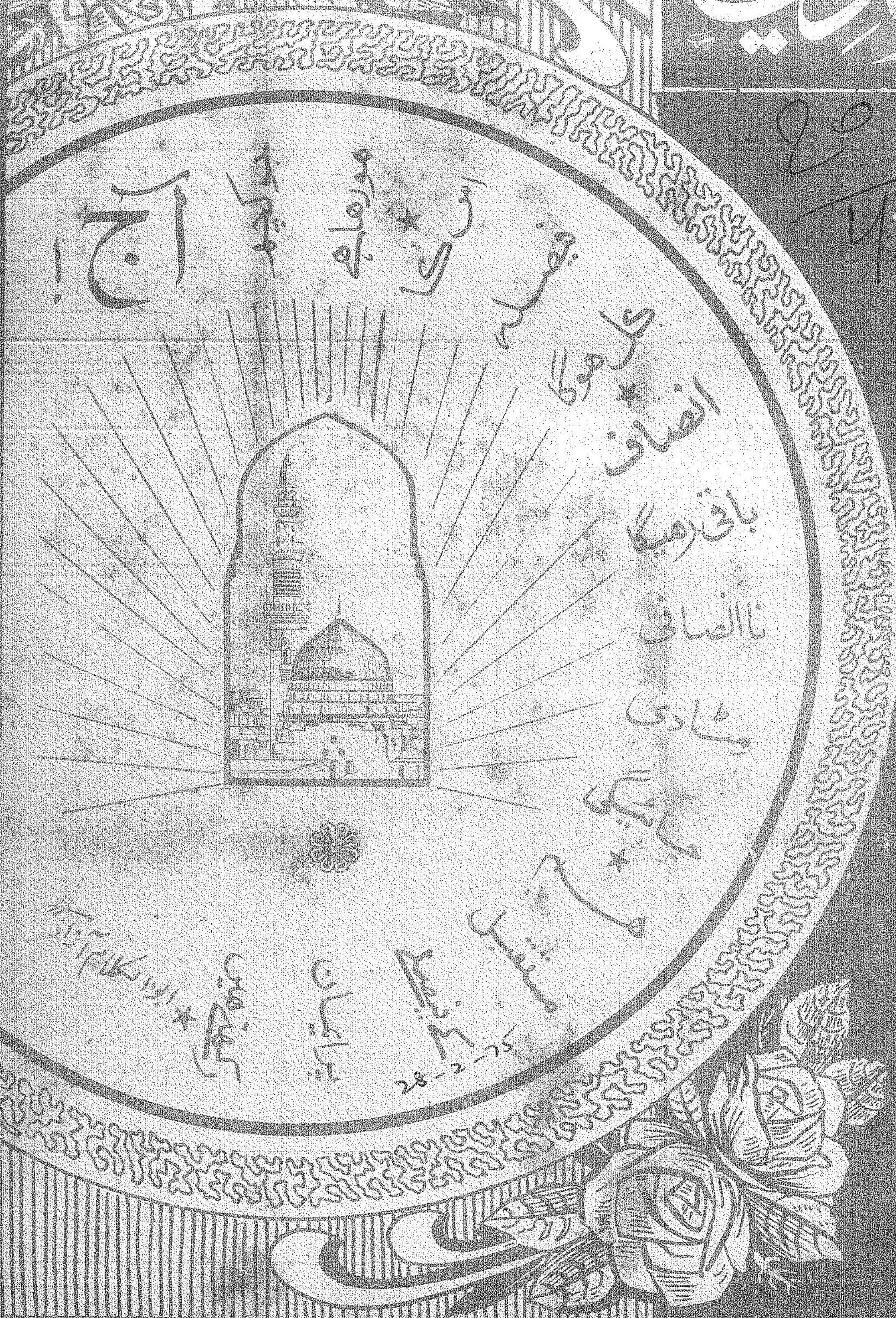
خدام الدین



بانی ادارہ شیخ التفسیر حضرت
مولانا احمد علی
رحمۃ اللہ علیہ

رئیس الادارہ جانشین شیخ التفسیر
مولانا عبید اللہ انور

رئیس التحریر
مولانا مفتی محمود

٦٠ پیسے

مطبوعات انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور، پاکستان

فون ٦٧٥٣٥

احادیث الرسول

مرتب
انور ...

★

اللہ تعالیٰ کی ہستی کا اعتراف انسانی فطرت کی آواز ہے

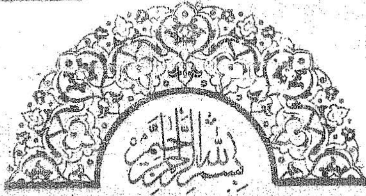
عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُقَالُ لِلرَّجُلِ مِنْ اَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَرَأَيْتَ لَوْ كَانَ لَكَ مَا عَلَى الْاَرْضِ مِنْ شَيْءٍ اَكُنْتَ مُفْتَدِيًا بِهِ فَيَقُولُ نَعَمْ قَالَ فَيَقُولُ قَدْ اَرَدْتُ مِنْكَ اَهْوَنَ مِنْ ذٰلِكَ قَدْ اَخَذْتُ عَلَيْكَ فِي ظَهْرِ اٰدَمَ اَنْ لَا تُشْرِكَ بِيْ شَيْئًا فَاَبَيْتَ اِلَّا اَنْ تُشْرِكَ بِيْ ۔ (رواہ احمد والشیخان وغیرھم)

انس بن مالکؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک دوزخی شخص سے کہا جائیگا بتلا اگر تیرے پاس (آج) تمام زمین کا مال ہوتا تو کیا تو وہ سب اسی عذاب کے فدیہ میں دے دیتا۔ وہ عرض کرے گا ضرور۔ باری تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ میں نے تو تجھ سے اس سے بہت ہلکا مطالبہ کیا تھا (یعنی) جب تو آدمؑ کی پشت میں تھا تو مجھ سے یہ عہد لیا تھا کہ میرا کسی کو شریک مت ٹھہرانا مگر تو نہ مانا اور شریک ٹھہرا کر رہا۔

تشریح تمام ادیانِ سماویہ کا بنیادی نقطہ یہی ہے کہ انسان خدا کی ہستی اور ربوبیت عامہ پر اعتقاد رکھے۔ جب تک یہ اعتقاد نہ ہو مذہبی میدان میں عقل و فکر کی رہنمائی کچھ نفع نہیں پہنچا سکتی۔ عقلِ سلیم اور وحی اسی کے شارح ہیں۔ بس ضروری تھا یہ تخمِ ہدایت جسے کل آسمانی تعلیمات کا مبدء و منتہیٰ کہنا چاہیے۔ پوری فیاضی کے ساتھ نوعِ انسانی کے تمام افراد میں بکھیر دیا جائے تاکہ ہر آدمی عقل و فہم اور وحی و الہام کی آبیاری سے اس تخم کو شجرِ ایمان و توحید کے درجہ تک پہنچا سکے۔ اگر قدرت کی طرف سے ابتداءً قلوبِ بنی آدم میں یہ تخم ریزی نہ ہوتی اور اس اساسی عقیدہ کا حل عقل و فکر کے سپرد کر دیا جاتا تو یقیناً یہ مسئلہ بھی منطقی استدلال کی بھول بھلیوں میں پھنس کر رہ جاتا جس پر سب آدمی تو کیا اکثر بھی متفق نہ ہو سکتے۔ اسی لیے قدرت نے جہاں غور و فکر کی قوت اور نورِ وحی و الہام کے قبول کرنے کی استعداد بنی آدم میں ودیعت فرمائی وہیں اس اساسی عقیدہ کی تعلیم سے ان کو فطرتاً بہرہ ور فرمایا جس کے بغیر مذہب کی عمارت کا ستون کھڑا نہیں رہ سکتا۔ آج یہ اسی ازلی تعلیم کا اثر ہے کہ آدمؑ کی اولاد ہر دور اور ہر طرف حق تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کے عقیدہ پر کسی نہ کسی حد تک متفق رہی ہے۔ جن معدود افراد نے خبثِ باطن کی وجہ سے اس فطری احساس کے خلاف آواز بلند کی وہ انجام کار دنیا کے سامنے بلکہ خود اپنی نظر میں اسی طرح جھوٹے ثابت ہوئے جیسا کہ ایک بخار کا مریض لذیذ خوشگوار غذاؤں کو تلخ و بدمزہ بتلانے میں جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔

بہرحال ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک ہر طبقہ کا خدا کی ربوبیت کبریٰ پر عام اتفاق اس کی زبردست دلیل ہے کہ یہ عقیدہ عقول و افکار کی داد و دہش سے پہلے ہی فاطرِ حقیقی کی طرف سے اولادِ آدم کو بلاواسطہ تلقین فرما دیا گیا تھا۔ بلاشبہ ہم کو یہ یاد نہیں کہ یہ تعلیم کب اور کہاں اور کس ماحول میں دی گئی تاہم جس طرح ایک انشاء پرداز کو یقین ہوتا ہے کہ ضرور اس کی ابتداءِ عمر میں کسی نے الفاظ پڑھنے سکھائے جس سے ترقی کر کے آج وہ اس ذخیرہ کو پہنچا ہے گو اس کی تفاصیل اس کے ذہن میں اس وقت مستحضر نہ ہوں۔ اسی طرح بنی نوع انسان کا ہر دور میں عقیدۂ ربوبیت پر متفق ہونا اس کی کھلی شہادت ہے کہ یہ چیز ان کی فطرۃ ہی میں کسی مربی و معلم کی طرف ودیعت رکھ دی گئی ہے اسی ازلی اور فطری تعلیم نے ہر انسان کو خدا کی محبت کے سامنے ملزم کر دیا۔ اب ہر شک کے مقابلہ میں خدا کی یہی حجتِ قاطعہ جس میں فطرتِ انسانی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے بطور فیصلہ کن جواب کے پیش کی جا سکتی ہے۔

قائد اسلامی انقلاب مولانا مفتی محمود



غلط اور سو فیصد غلط

پاکستان کی یہ انتہائی بدقسمتی ہے کہ اسے اپنی زندگی میں ایک دن بھی استحکام کی نعمت نصیب نہ ہو سکی۔

ہر آنے والا دن پہلے سے کہیں زیادہ اندوہناک اور پریشان کن ثابت ہوا۔

طالع آزما، مفاد پرست اور دولتِ ایثار و خلوص سے تہی دامن عناصر اس کی قسمت سے بری طرح کھیلتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پے در پے حوادث رونما ہوتے رہے حتّٰی کہ ملک دولخت ہو گیا۔

مدّتوں کی سردردی اور پریشان حالی کے بعد خدا خدا کر کے ایک دستور ملک کو ملا۔ جس کی تدوین و ترتیب کے دوران ننھی منّی اقلیت کو اتنا پریشان کیا گیا کہ وہ کوئی انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور ہو جائے لیکن حزبِ اختلاف نے ملک و ملّت کی فلاح و بہبود کے جذبہ کے پیشِ نظر انتہا پسندی کا نظریہ ترک کر کے مفاہمت و مصالحت کی روش اپنائی اور ایک ایسے حریف سے مذاکرات کا ڈول ڈالا جس کے لیے زبان کی پاسداری اور دوسروں کے بہتر جذبات کی کوئی اہمیت نہ تھی لیکن حزب اختلاف کو اپنے شخصی مسائل سے کہیں زیادہ ملک و قوم کا مفاد عزیز تھا اس لیے انہوں نے سب کچھ برداشت کیا اور بالآخر اس خلوص و ایثار کے نتیجہ میں ملک کو ایک دستور مل گیا جو بہر حال بڑی حد تک اسلامیت، وفاقیت اور جمہوریت کے تقاضوں کو پورا کرتا تھا۔ اور میری یہ سوچی سمجھی رائے ہے کہ اگر اس کو چلانے والے مخلص و ایمان دار ہوں تو ملک و ملّت کے سارے ہی مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

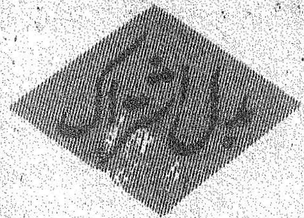
لیکن جو عناصر نہیں بلکہ فرد واحد اس وقت سیاہ و سفید کا مالک ہے۔ اس نے جس طرح دستور کی مٹی پلید کرنے کا وطیرہ اختیار کر رکھا ہے وہ ایک دردناک حقیقت ہے۔

بنیادی حقوق معطل ہیں ملک مسلسل ایمرجنسی کا شکار ہے اور ظلم و تشدّد کا ہر حربہ یہاں آزمایا جا رہا ہے۔ ابھی حال ہی میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم



۱۷ر صفر المظفر ۱۳۹۵ھ
۲۸ر فروری ۱۹۷۵ء



سالانہ ۲۶/- روپے
ششماہی ۱۴/- روپے
سہ ماہی ۷/- روپے
فی شمارہ ۶۰ پیسے

چیف ایڈیٹر
جانشین شیخ التفسیر
مولانا عبید اللہ انور

سرحد کے وزیر داخلہ اور بھٹو صاحب کے یار وفادار شیر پاؤ ایک حادثہ کا شکار ہو کر موت کی آغوش میں چلے گئے تو اس کو سبھی نے محسوس کیا۔ حزب اختلاف کے چھوٹے بڑے تمام قائدین اور کارکنوں نے شدید اختلافات کے باوصف اس سنگین اور خطرناک حادثہ کی مذمت کی اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ قاتلوں کو سامنے لائے اور انہیں کیفرِ کردار تک پہنچائے تاکہ سیاست میں تشدد کا رجحان ختم ہو۔

اس معاملہ میں حزبِ اختلاف نے حکومت کو مخلصانہ تعاون کا یقین بھی دلایا لیکن حکومت نے روایتی شوخ چشمی کا مظاہرہ کرکے بغیر کسی تحقیق اور چھان بین کے سیاسی مخالفین کو کچلنے کا منصوبہ بنا لیا۔

اس سلسلہ میں حزب اختلاف کے پارلیمانی قائد خان عبدالولی خان اور ان کی پارٹی کے متعدد قائدین و کارکن گرفتار کر لیے گئے، ان کی پارٹی پہ پابندی لگا دی گئی۔

اس کے ساتھ ہی شیر پاؤ کے قتل کے متعلق احتجاجی مظاہروں کا سلسلہ شروع کرایا گیا اور متعدد مقامات کی رپورٹ یہ ہے کہ وہاں دفعہ ۱۴۴ کے باوصف دھونس اور دھاندلی کا مظاہرہ کرکے حکمران پارٹی نے ہڑتالیں کرائیں اور انتہائی لچر اور بے ہودہ تقریریں کیں حتیٰ کہ سرحد کے دارالحکومت پشاور میں جمعیۃ علماء اسلام سمیت متعدد سیاسی پارٹیوں کے دفاتر اور مخالفین سے تعلق رکھنے والے بعض دکانداروں کے ہوٹل اور تجارتی فرمیں بری طرح تباہ کر دی گئیں اور یہ سارا تماشہ پولیس کی نگرانی میں ہوتا رہا۔

اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ آئین جو چند سے پہلے مرتب و مدون کیا گیا اس میں تیسری ترمیم کا ڈرامہ رچایا گیا اور حزبِ اختلاف کی بات سنی تک نہ گئی۔ ظاہر ہے کہ اس ترمیم کا مقصد جمہوری عمل کو روکنا اور عوامی حقوق کو کچلنا تھا اور بس۔ اس لیے مجبور ہو کر حزب اختلاف نے بھی بائیکاٹ کر دیا جس پہ پنجاب کے ممبر بلا شبہ مستحق تبریک ہیں۔ یہ سب کچھ کر چکنے کے بعد جو تازہ اقدام کیا گیا وہ سرحد کی حکومت کا خاتمہ اور وہاں گورنر راج کا قیام ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ حکومت بھٹو صاحب کی اپنی حکومت تھی کیونکہ اس میں ایک آدھ ممبر تو وہ تھا جو سن کے انتخاب میں سرحد میں حادثاتی طور پر پی پی پی کے ٹکٹ پہ منتخب ہو گیا تھا۔ کچھ ممبر مرکزی وزیر داخلہ خان عبدالقیوم خان کی پارٹی سے تعلق رکھتے تھے اور ظاہر ہے کہ خان صاحب موصوف اس فن میں اناڑی ہیں۔ چڑھتے سورج کی پوجا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ اس کے علاوہ اس میں بعض ممبر وہ تھے جو اپنے اپنے حلقوں کے مفادات سے غداری کرکے اور اپنی جماعتوں سے کئے گئے وعدوں کو پس پشت ڈال کر لیلائے اقتدار سے ہمکنار ہوتے تھے اور یوں انہوں نے بتلا دیا تھا کہ ہمارا ضمیر کتنا قیمتی ہے۔ اس کے بعد سمجھ نہیں آتی کہ اس حکومت کو کیوں ختم کیا گیا؟

شیر پاؤ کے قتل پر جو کہانیاں جنم لے رہی ہیں ان میں شیر پاؤ، قیوم کش مکش اور شیر پاؤ، گنڈاپور کش مکش بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔ ممکن ہے کہ جس طرح بھٹو صاحب نے اپنے انتہائی محبوب دوست کے صدمہ سے متاثر ہو کر اپنے حریف ولی خان کو پابندِ سلاسل کیا ہے اسی طرح کا سلوک اپنے ظاہری حلیفوں لیکن فی الحقیقت حریفوں سے کرنے کی غرض سے حکومت توڑنے کا اقدام کیا گیا ہو۔

بہر حال جو کچھ بھی ہو ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ شیر پاؤ کے قتل سے لے کر سرحد گورنمنٹ کے توڑنے تک حکومت کے سارے ہی اقدامات غلط اور سو فیصد غلط ہیں اور مختصر لفظوں میں یہ عوام اور ان کے منتخب نمائندوں کے حقوق پامال کرنے کے مترادف!

اس لیے حکومت یا تو آئین کا احترام کرکے صاف ستھری سیاست کی داغ بیل ڈالے اور یا پھر عوامی حقوق سے گلی ڈنڈا کھیلنے کی روش چھوڑ کر مستعفی ہو جائے بصورت دیگر منتقم حقیقی کی پکڑ کا انتظار کریں۔

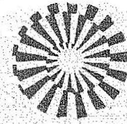
فَانْتَظِرُوْا اِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ



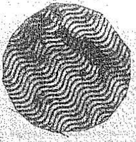
فاروقِ اعظمؓ رات بھر گشت کرکے رعایا کی خبر گیری فرماتے تھے

۱۴ فروری ۱۹۷۵ء





چاہ کن را چاہ درپیش



جو حکومت چند مظلوموں کے قاتل گرفتار نہیں کرسکتی اسے حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور کا خطاب

الحمد للہ وکفٰی وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی: امّا بعد:

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّہٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِی الْقَتْلِ اِنَّہٗ کَانَ مَنْصُوْرًا o

(پ ۱۵ - بنی اسرائیل)

اور جس جان کو قتل کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے اسے ناحق قتل نہ کرنا اور جو کوئی ظلم سے مارا جائے تو ہم نے اس کے ولی کو اختیار دے رکھا ہے کہ قصاص لے لیکن زیادتی نہ کرنے پائے بلاشبہ اس کی مدد کی گئی ہے۔"

صحیحین میں ہے کہ تین صورتوں کے علاوہ کسی صورت میں مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں (۱) جان کے بدلے جان (۲) یا زانی محصن (۳) یا جو شخص دین کو چھوڑ کر اپنی جماعت سے الگ ہو جائے۔

جو شخص کسی کو ناحق قتل کرتا ہے وہ دراصل زمین میں فتنہ و فساد پھیلا کر ساری قوم کو تباہ کرتا ہے۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا وَمَنْ اَحْیَاھَا فَکَاَنَّمَا اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا۔ (پ ۶ بنی اسرائیل)

ترجمہ: جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔ اور جس نے کسی کی زندگی کی حفاظت کی گویا اس نے تمام انسانوں کی زندگی کی حفاظت کی۔"

مطلب یہ ہے کہ آپس میں قتلِ ناحق کرنے والا ساری قوم کو تباہ کرتا ہے اور قتلِ ناحق کو بند کرنے والا ساری قوم کو زندگی کے راستہ پر ڈالتا ہے۔

بلاوجہ اور عدالت کے فیصلے کے بغیر کسی بے گناہ انسان کو مار ڈالنا سارے انسانوں کو مار ڈالنے کے مترادف ہے کیونکہ جب ایک آدمی اس جرم کا ارتکاب کرے گا تو دیکھا دیکھی دوسرے بھی اس روش پر چل نکلیں گے۔ اور جو شخص کسی ایک آدمی کی جان بخشی کرتا ہے تو دراصل تمام انسانوں کی جان کا تحفظ کرتا ہے۔

مثل مشہور ہے کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ یہی حال آدمی کا ہے آدمی اکثر وہی کام کرتا ہے جو دوسروں کو کرتا دیکھتا ہے۔

جو شخص نیک کام کرتا ہے اس کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی نیکی کی طرف مائل ہوتے ہیں اور جو شخص برا کام کرتا ہے اس کی یہ شقاوت و بدبختی

دوسروں کو آمادۂ گناہ کرتی ہے اور ایک قتل کے بعد دوسرے قتل کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اور اس طرح ایک آدمی کے قتل سے پوری جماعت متاثر ہوتی ہے۔ اور دنیا میں فتنہ و فساد اور ظلم و بربریت کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔

اس فتنہ و فساد کو دور کرنے اور انسانی افراط و تفریط کو مٹانے کے لیے جہاں اللہ نے جان لینے کی ممانعت فرمائی ہے وہاں اس کا حکم بھی دیا ہے۔ وارث کو اختیار دیا ہے کہ وہ چاہے تو دیت پر فیصلہ کرے یا جان کے بدلے جان لے کیونکہ قصاص میں قاتل کی جان لینا بھی دراصل انسانی جان کی حفاظت ہی کے لیے ہے

جس طرح ایک آدمی کے قتل کرنے سے کئی دوسرے لوگوں کے قاتل بننے کا خدشہ اور خطرہ ہوتا ہے۔ اسی طرح قصاص میں ایک آدمی کے قصاص میں مارے جانے سے کئی دوسرے لوگ عبرت حاصل کرکے توبہ کر سکتے ہیں۔ لیکن اسلام نے جہاں جان لینے کا حکم دیا ہے وہاں احتیاط کی اپنی یہ امتیازی شان قائم رکھی ہے کہ اس معاملے میں ظلم نہ کیا جائے یعنی ایک جان کے بدلے کئی جانیں ہلاک نہ کرو۔ اگر ایک آدمی زیادتی کر جاتا ہے تو زیادتی کرنے کے بعد وہ مظلوم نہیں رہتا بلکہ ظالم بن جاتا ہے۔ اسلام کی نظر میں اس میں اور پہلے ظالم میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ اور اسلام کے نزدیک جس طرح پہلے ظالم پر حد جاری کرنا ضروری تھا اسی طرح دوسرے ظالم پر بھی ایسی حالت میں حد جاری کرنا ضروری ہوگا۔

اسلام کا یہ وہ ضابطۂ اخلاق و تہذیب ہے جو ہر مسلمان کو اپنے دائرۂ کار میں رہنے کا پابند بناتا ہے اور اخلاق اور حقوق العباد کے تمام پہلوؤں کو صرف اسلام ہی قائم رکھتا ہے۔

آج کل یہ جو قتل ہو رہے ہیں اور ہر طرف قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے اس کی وجہ اسلام سے دوری اور اسلامی قانون کا عدم نفاذ ہے۔ اگر آج اس ملک میں اسلامی قانون نافذ کر دیا جائے تو ہر بے حیائی اور قتل و غارت اور چوری ڈکیتی کی وارداتیں ختم ہو جائیں گی۔

اور اس کی تمامتر ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کو گشت کرکے اپنی رعایا کی خبرگیری فرماتے تھے۔ اگر ایک عورت کے بچے بھوکے نظر آتے تھے تو راشن خود اٹھا کر اس کے گھر تک پہنچاتے تھے کیونکہ وہ بزرگ اپنے آپ کو قوم کا حاکم نہیں بلکہ خادم سمجھتے تھے۔ یہ تاریخ کا عظیم ترین واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ جب سامان خوراک اٹھا کر لے جانے لگے تو غلام نے عرض کیا یہ سامان میں اٹھا لیتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ آج دنیا میں تم میرا بوجھ اٹھا لو گے لیکن کل قیامت کو میرا بوجھ کون اٹھائے گا؟

اسی طرح حضرت عمرؓ فرماتے ہیں اگر دریائے فرات کے کنارے پر ایک کتا بھی مر جائے تو عمرؓ سے بازپرس ہوگی لیکن موجودہ دور کے حکمران انسانی جانوں کے تلف ہونے پر بھی اپنے آپ کو خدا کے سامنے جواب دہ نہیں سمجھتے۔

پاکستان میں مولانا شمس الدین کو شہید کیا گیا خواجہ رفیق، ڈاکٹر نذیر، عبدالصمد اچکزئی اور کئی جماعتوں کے کارکنوں کو ختم کر دیا گیا لیکن حکومت ان کے قاتلوں کو گرفتار کرنے میں آج تک ناکام ہے۔ آج سرحد کے حکمران پارٹی کے نوجوان وزیر کو قتل کر دیا گیا۔ یہ دراصل ان لوگوں کا کام ہے جنہوں نے اس قسم کے واقعات کی ابتدا کی اور ملک میں سیاسی قتلوں کی رسم ڈالی۔

"چاہ کن را چاہ در پیش"

اگر کوئی حکومت کسی مظلوم کے قاتلوں کو گرفتار نہیں کر سکتی اور ظالم و مظلوم کو ایک ہی ڈنڈے سے ہانکتی ہے تو ایسی حکومت کو فوراً مستعفی ہو جانا چاہیے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور لکھا کریں۔

قسط نمبر ۲

حقیقت جامعہ

مولانا قاری محمد طیب مدظلہٗ

مرتب: محمد فاروق قریشی

حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب انہوں نے کعبہ کی عمارت نئی بنائی تو پرانی کو ڈھایا اور ایک عرصہ تک عمارت نہیں تھی وہ تو منہدم کر دی گئی۔ طواف بھی جاری رہا اور نمازیں بھی جاری رہیں۔ حالانکہ عمارت موجود نہیں تھی تو درحقیقت کعبہ وہ چار دیواری نہیں وہ تجلی اور محل مبارک ہے۔ اس کا علامتی نشان ہے کعبہ، مگر ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ علامتی نشان ہونے سے یہ نہیں تھا کہ معاذ اللہ وہ کوئی ناقابل اعتبار چیز ہے۔ اس کا ادب اس کا احترام اتنا ہی واجب ہوگا جیسے عین تجلی ہماری آنکھوں کے سامنے ہو۔ بیت اللہ کی عظمت اتنی ہی واجب ہوگی۔ اس لیے کہ وہ اس تجلی سے ملحق ہے نسبت ہے اس سے، نسبت کا اثر ہے کہ اس کی ایک ایک چیز معظم و محترم بن گئی۔

بیت اللہ کے اوپر اگر آپ غلاف ڈال دیں، حالانکہ بنایا تو آپ ہی نے ہے، لیکن جب اس پر چڑھ گیا تو نسبت قائم ہوگئی اور اب اسی کے سامنے بنانے والے کو بھی جھکنا پڑے گا تو تجلی کی وجہ سے عظمت بقعہ مبارک کی قائم ہوگی بقعہ کی وجہ سے عظمت بیت اللہ کی چار دیواری کی قائم ہوگی اور اس چار دیواری کی وجہ سے عظمت غلاف کعبہ کی قائم ہوئی اور اس کی وجہ سے عظمت مسجد حرام کی قائم ہوئی اور مسجد حرام کی وجہ سے عظمت پورے مکہ کی قائم ہوئی۔ حتیٰ کہ حجاز مقدس بن گیا تو اصل تعظیم ہے اس تجلی مبارک کی درجہ بدرجہ نسبت پاکر اشیا مقدس بنتی گئیں، حتیٰ کہ اگر کوئی حج کر آئے تو آپ اس کے لیے ہاتھ چومتے ہیں۔ کیا بات اس میں نئی پیدا ہوئی۔ عبادت تو یہاں بھی کرتا تھا وہاں بھی کی، لیکن اس کو بیت اللہ سے نسبت قائم ہوگئی کہ اس کی آنکھوں نے بیت اللہ کا جلوہ دیکھا ہے۔ اس نسبت کی وجہ سے وہ حاجی واجب الاحترام بن جاتا ہے۔

دنیا کی ساری عظمتیں نسبت سے قائم ہوتی ہیں اور نسبت قائم ہوتی ہے صورت اور حقیقت کی مطابقت کے قائم ہونے سے کہ یہ حقیقت اسی صورت میں پائی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ صورت بھی قابل احترام ہے، قرآن کریم کسی کے سینے میں خدا اتار دے تو حافظ کی بھی تو آپ تعظیم کرتے ہیں۔ حافظ مجموعہ گوشت پوست کا ہے۔ وہی گوشت پوست آپ کے اندر بھی موجود ہے اس کی ذات میں کوئی عظمت نہیں ہے۔ اس کے قلب پر چونکہ اللہ نے اپنا کلام اتار دیا ہے۔ اس لیے کلام کی عظمت سے اس کی روح باعظمت بنی اور روح باعظمت ہونے سے اس کا بدن بھی باعظمت بن گیا۔ اس کے ہاتھوں کو بھی چومتے ہیں۔

درحقیقت واجب التعظیم وہ اصل حقیقت ہوتی ہے جو آنکھوں سے نظر نہیں آتی، لیکن اس کو پہنچوانے کے لیے حق تعالیٰ شکل بناتے ہیں۔ وہ شکل ذریعۂ تعارف بھی ہوتی ہے۔ واجب الاحترام بھی۔

تو اس لیے سنت اللہ یہی ہے کہ جب کوئی حقیقت ابھرنے کے قریب ہوتی ہے تو شکل دے دی جاتی ہے۔ ایک بچہ ہے وہ بلوغ کے قریب پہونچ جاتا ہے تو وہ اعلان نہیں کرتا پھرتا ہے کہ میں بالغ ہوگیا ہوں، بلکہ شکل اس کی ایسی بن جاتی ہے کہ دیکھتے ہی پہچانتے ہیں کہ یہ بالغ ہوگیا ہے۔ چہرہ چوڑا چکلا ہو جاتا ہے۔ مسیں بھیگنے لگتی ہیں۔ داڑھی آنے لگتی ہے۔ سب سمجھتے ہیں کہ اب نکاح کے قابل ہوگیا ہے۔ اب اس کا رشتہ ڈھونڈو۔ یہ بچہ نہیں رہا۔ درحقیقت وہ جوانی ایک روپ اختیار کرتی ہے۔ روپ کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے کہ اس میں حقیقت آگئی ہے۔ اب تک یہ بچہ تھا، لیکن اب یہ اس قابل ہوگیا ہے کہ اگر اس کا نکاح کر دیا جائے تو اس کی نسل چل سکتی ہے۔ اس کی گواہی اس کی شکل ہی تو دیتی۔ کچھ داڑھی آتی ہے کچھ مسیں بھیگتی ہیں، کچھ بدن چوڑا چکلا ہوتا ہے۔ مجموعی حیثیت سے آپ پہچان جاتے ہیں کہ اب یہ جوان ہوگیا۔ تو بس اسی طرح سمجھیے کہ ایک طالب علم جو تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ آٹھ برس تک وہ نابالغ تھا۔ اس نے میزان پڑھی بلوغ کو نہیں پہونچا۔ شرح وقایہ تک

پہونچا تو سمجھدار ہو گیا۔ اگر بالغ نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ جب اس نے بخاری پڑھ لی تو آپ کہیں گے کہ یہ حد بلوغ کو پہونچ گیا تو اب ایسا ہے کہ اگر اس کا رشتہ کتاب سے کر دیا جاتے تو اس کی علمی نسل چل جاتے گی۔ اس کے شاگرد پیدا ہونے لگیں گے۔ اس کی روحانی اولاد پیدا ہو گی۔ اس لیے کہ یہ حد بلوغ کو پہونچ گیا ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے علامتیں رکھی ہیں، جس سے وہ پہچانا جاتا ہے۔ مثلاً ایک علامت پگڑی باندھنا ہے تو دستار بندی دراصل ایک اعلان ہے' علامت اس کی کہ یہ علمی طور پر بالغ ہو گیا۔ ہم شہادت دیتے ہیں کہ اس کی شادی ہو سکتی ہے۔ اس کی اولاد اور ذریت سے روحانی طور پر ہم اس کے شاہد ہیں۔ نکاح میں بھی تو آیا، دو آدمی گواہ ہی مقرر کرتے ہیں نکاح ہو گیا۔ اولاد جائز ہو گئی۔ تو اس بالغ طالب علم کے بارے میں بھی سارے استاذ گواہ بنتے ہیں کہ یہ بالغ ہو گیا ہے جسے یہ پڑھائے گا وہ اس سے علم حاصل کرے گا۔ غلط راستے پر نہیں جاسکے گا۔ تو پگڑی باندھنا یا سند اس کے ہاتھ میں دے دینا یہ علامات ہیں جس سے پہچانا جاتا ہے کہ یہ حد کمال کو پہنچ گیا، مگر حد کمال کا یہ معنیٰ نہ سمجھیں کہ وہ طلبا جن کی دستار بندی ہو گی کہ ہم کامل ہو گئے۔ حد کمال کا یہ مطلب نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں صلاحیت و استعداد پیدا ہو گئی ہے کہ وہ کامل بننا چاہیں تو بن سکتے ہیں۔ اب محتاج نہیں رہے استاد کے اب زیادہ محتاج نہیں رہے۔ کتاب کے اس درجہ کی استعداد آگئی کہ اب اگر وہ مطالعہ شروع کریں تبحر پیدا کریں تفکر شروع کریں تو علم ان کا آگے چلے گا۔ دستار باندھ کر یہ تصور نہ باندھیں کہ علم ان کا کامل ہو گیا بلکہ یہ تصور باندھیں کہ استادوں کی برکت سے یہ صلاحیت پیدا ہو گئی ہے کہ اگر کمال حد راستے طے کریں تو آپ کر سکتے ہیں اور اس کا یہ بھی مطلب نہیں ہو گا کہ وہ بالکل استادوں سے مستغنی ہو گیا۔ محتاج رہیں گے مرتے دم تک استاد کے۔ اس لیے جتنا علم ان کا بڑھے گا استاد کا علم بھی تو اتنا ہی بڑھے گا۔

مجھے اس پر واقعہ یاد آیا۔ مولوی محمد ادریس صاحب کاندھلوی آپ کے ہاں کے شیخ الحدیث بڑے معتبر اور متفکر عالم دین تھے۔ میرے ہم سبق تھے۔ اس لیے بے تکلفی بھی تھی۔ ایک مرتبہ انہوں نے مسئلہ تقدیر پر مضمون لکھا وہ غالباً چھپ بھی گیا اور اس کے شروع میں میں نے ایک مقدمہ بھی لکھا تھا جو منظوم ہے تو مولانا نے جو نظم لکھی تھی وہ مسئلہ تقدیر پر ہے۔ اس کی میں نے بطور مقدمہ کے کچھ شرح کی ہے وہ چھپ چکا ہے۔ تو یہ رسالہ لکھ کر وہ تھانہ بھون پہونچے۔ ذہن میں ان کے یہ تخیل تھا کہ ایسی بدیہی چیزیں لکھی ہیں کہ اس میں کوئی اعتراض کی گنجائش ہی نہیں ہے اور نصوص شرعیہ پیش کی ہیں ان میں کون نکتہ چینی کر سکتا ہے۔

حضرت تھانوی سے عرض کیا کہ حضرت میں نے یہ رسالہ لکھا ہے۔ آپ اس پر ایک نگاہ ڈال لیجیے۔ کوئی کلمہ تقریظ کا لکھ دیجیے تو یہ مستند بن جاتے۔ حضرت نے فرمایا کہ دوپہر قیلولہ کرنے جب لیٹوں گا تو اسے دیکھ لوں گا اور کوئی بات ذہن میں آئی تو عرض کر دوں گا چنانچہ حضرت تشریف لائے اور ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد جب سب لوگ جمع ہوئے تو حضرت نے فرمایا کہ مولوی ادریس یہ رسالہ تم نے لکھا ہے؟ انہوں نے کہا کہ جی حضرت فرمایا کہ اول سے آخر تک سارا غلط ہے۔ فرمایا کہ مواد سارا صحیح ہے۔ لیکن ان سے جو مطالب نکالے گئے اور اسلوب بیان وہ غلط ہے۔

تو جہاں تک بھی علم پڑھتے جائیں گے تو استاد جوان سے بڑا ہے وہ بھی تو بڑھتا جائے گا۔ کسی مقام پر پہونچ جائے تو بھی محتاج ہی رہتا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کا شعر ہے جس کا مطلب ہے کہ جوں جوں زمانے نے مجھے ادب سکھایا اور شعور بڑھایا مجھے علم سکھلایا توں توں میری جہالت مجھ پر واضح ہوتی چلی گئی۔ جوں جوں علم بڑھتا گیا اپنی جہالت کا علم بھی بڑھتا گیا۔ جس مقام پر میں پہونچتا ہوں اور علم ہو تو تب اس مقام پر نظر ڈالتا ہوں تو ہزاروں مقامات ایسے ہیں جو اب تک علم میں ہی نہیں آئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک جہالت موجود ہے۔ جب اگلے مقام پر پہونچے تو معلوم ہوا کہ اور لامحدود مقامات ہیں کہ جن کا علم ہی نہیں ہے تو جاہل ہی جاہل۔

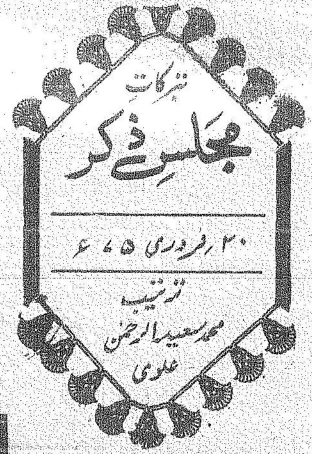
علم حق تعالیٰ کا کمال ہے۔ اس کی صفت ہے اور اس کی ہر صفت لامحدود ہے۔ تو کتنا ہی آدمی پڑھ جاتے وہ ابجد ہی میں رہے گا۔ اخلاق ربانی لامحدود ہیں۔ بلحاظ کمال کے کتنا ہی بااخلاق بن جائے پھر بھی وہ نیچے ہی رہے گا اور لامحدود مراتب ہیں اخلاق کے۔

اس واسطے حضرات صوفیا کے ہاں صوفی کا لقب ہے نامراد کہ وہ ایسا خطرناک لقب رکھتے ہیں کہ ہوتا تو ہے حقیقت پر مبنی، مگر ڈراؤنا لفظ ہوتا ہے۔ یعنی جسے ہم بامراد سمجھتے ہیں کہ کامل و مکمل اسے یہ کہتے ہیں نامراد۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سالک طریقت تو کبھی مراد پر پہونچتا ہی نہیں۔ حق تعالیٰ کے مراتب و کمالات لامحدود ہیں، جس حد تک پہونچے گا لامحدود درجے معلوم ہوں گے کہ باقی ہیں تو وہ کبھی انتہا کو پہونچے گا نہیں۔ تو اس لیے انہوں نے لقب ہی رکھ دیا نامراد۔ تو

اے برادر بے نہایت درگاہ است

بے انتہا درگاہ ہے، چلتے جاؤ کوئی حد و حساب ہی نہیں۔ حتیٰ کہ آپ جنت میں بھی پہونچ جائیں گے اور انشاء اللہ ضرور پہنچو گے وہاں بھی آپ بڑھتے ہی رہیں گے۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ



انعاماتِ ربّانی

کی ناقدری

رحمتِ الٰہی سے محروم ہونا ہے

جانشین شیخ التفسیرؒ حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

خطبہ مسنونہ کے بعد ، اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :۔

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ۝

اللہ تعالےٰ کا جتنا شکر ادا کریں کم ہے کہ اس نے ہمیں اپنا نام لینے کی توفیق عطا فرمائی ۔ اور دلوں میں یہ شوق و محبت پیدا فرما دی ۔ ورنہ ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو اپنے فرائض کے معاملہ میں بھی سخت غفلت میں مبتلا ہیں ۔ لیکن اس نعمت پر مغرور نہ ہونا چاہیے کیونکہ یہ اس کی دین ہے اس میں اپنا کوئی کمال نہیں ۔

ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ

اسی حقیقت کو شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان لفظوں میں تعبیر فرمایا : ؎

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی
منت ازو شناس کہ بخدمت گذاشتت

یادِ الٰہی ایک ایسا فرض ہے جس کی بجا آوری میں دنیا کی ہر چیز مشغول ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ

لیکن ساتھ ہی فرما دیا کہ تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے ۔

اور ظاہر ہے کہ جب انسان دوسرے علاقہ اور ماحول میں رہنے والے انسان کی بولی نہیں سمجھ سکتا تو دوسری مخلوق کی کیونکر بولی سمجھے گا ۔

حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ اکثر یہ آیت تلاوت فرمایا کرتے تھے اور اپنے حلقہ کو ذکر وغیرہ کی تلقین فرمایا کرتے تھے ۔ اصل بات یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز انسان کی چاکری کے لیے ہے لیکن بندہ اللہ رب العزت کی عبادت و بندگی کے لیے پیدا ہوا ہے ۔ عبادت و بندگی میں سرِ فہرست پنجگانہ نماز ہے جو ہر حال میں ہر مسلمان پر فرض ہے ۔

سفر و حضر ، بیماری و صحت ، جنگ و امن غرض کوئی بھی حالت ہو اس فریضہ کو بہرحال ادا کرنا ہوگا ۔ بعض مخصوص حالات میں اللہ تعالےٰ اپنے خصوصی فضل سے رعایتیں عطا فرما دیتے ہیں لیکن معافی کا کوئی سوال نہیں ۔ اس کے بعد دوسرے فرائض بھی ہیں لیکن ایسا ہو ہی جایا کرتا ہے کہ فرائض کی ادائیگی میں کمی کوتاہی واقع ہو جاتی ہے اس کمی اور کوتاہی کو پورا کرنے کے لیے حضرت حق نے غایت رحمت سے نوافل اور ذکر و اذکار کے اذکار سے بندہ کو نوازا ۔

یاد رکھئے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر دانی کرتا ہے حضرت حق اس کو مزید نوازتے ہیں لیکن جب انسان انعاماتِ ربانی کی ناقدری کرتا ہے تو پھر خدائے قادر و قہار کی بے آواز لاٹھی حرکت میں آ جایا کرتی ہے اور اس کے بعد انسان لعنت کا شکار ہو جاتا ہے ۔

لعنت نام ہے حضرت حق کی رحمت سے دور ہو جانے کا ۔ اور یہ دوری کئی طرح سے ہوتی ہے ۔ کبھی تو بارش نہیں برستی اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ اتنی برستی ہے کہ سیلاب کی شکل میں تباہی کا ذریعہ

بن جاتی ہے۔

اس کے علاوہ چوری، ڈکیتی، اغوا، قتل، رشوت خوری باہمی نفرت و عداوت اور حسد و انتقام وغیرہ جیسے جرائم فی الحقیقت اسی معاشرہ میں راہ پاتے ہیں۔ جو معاشرہ اپنی بدعملی و بدکرداری کی وجہ سے اللہ جلشانہٗ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے۔

آج ہمارے ملک میں جس طرح مصائب و آلام کا نہ ختم ہونے والا ایک طوفان بپا ہے اور داخلی و خارجی طور پر جس طرح ملک عدم استحکام اور پراگندگی و افراتفری کا شکار ہے اس کی وجہ رحمت سے محرومی ہے۔

چونکہ ہم نے خدائے برتر و توانا سے کچھ وعدے کیے تھے کہ اے اللہ! اگر تو نے ملک عطا فرما دیا تو ہم اسے ہر طرح تیری مرضی کے مطابق چلائیں گے لیکن جب وہ وعدے پورے نہ کیے گئے تو دنیا کی یہ سب سے بڑی اسلامی مملکت سمٹ کر رہ گئی۔ اس کی جغرافیائی حدیں تبدیل ہو گئیں اور آبادی نصف سے بھی کم رہ گئی۔

حالانکہ دنیا کے دوسرے ممالک کو دیکھیں سعودی عرب، الجزائر، لیبیا وغیرہ آپ کے سامنے ہیں وہاں برکات کا نزول ہے۔ لوگ سکھ اور چین سے زندگی بسر کر رہے ہیں آخر کیوں؟

محض اس لیے کہ وہ احکامات الٰہی کی کسی درجہ میں تو پابندی کرتے ہیں۔ اور ہم احکامات ربانی کا مذاق اڑاتے ہیں جس کے نتیجہ میں سکونِ قلب لٹ گیا برکات کا نزول بند ہو گیا اور پریشان حالی نے ڈیرہ جما لیا۔

یاد رکھیے! اطمینانِ قلب صرف یادِ الٰہی سے میسّر آسکتا ہے۔ جب اللہ کی یاد ہو گی، خدا کا خوف دل میں سما جائے گا تو ماسوی اللہ کا خوف جاتا رہے گا پریشانیاں کافور ہو جائیں گی اور انسان اپنے آپ کو باغ ارم میں محسوس کرے گا کیونکہ خدائے رحیم و کریم کا فیصلہ ہے۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ اور یقیناً خدا کے وعدے سچے ہیں۔ شرط صرف عمل ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں صدرِ اول کے مسلمانوں کے عظیم اعمال اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

اکابرین جمعیت کے لئے دعا کریں

جمعیت علماء اسلام کے رہنما حضرت مولانا محمد ابراہیم نے اطلاع دی ہے کہ امیر جمعیت حضرت درخواستی دامت برکاتہم کے ہاتھ پر ایک پھوڑا ابھر آیا ہے جس کی وجہ سے وہ نشتر ہسپتال ملتان میں ڈاکٹر عبدالرحمان میڈیکل سپرنٹنڈنٹ کے پاس زیر علاج ہیں۔ اسی طرح شیخ طریقت حضرت مولانا عبدالہادی دین پوری بھی صاحب فراش ہیں۔

قائد اسلامی انقلاب حضرت مولانا مفتی محمود ایم۔ این۔ اے شوگر کے شدید عارضہ کے باعث علیل ہیں اور ڈاکٹروں نے انہیں مکمل آرام کا مشورہ دیا ہے۔ تمام مسلمانان پاکستان سے استدعا ہے کہ تمام اکابرین کی صحت و سلامتی کے لیے مساجد میں خصوصی دعائیں مانگیں۔ اللہ تعالےٰ انہیں صحتِ کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے۔ آمین! (ادارہ)

دعائے مغفرت

جمعیت علماء اسلام کے فعال کارکن قاری مقبول الرحمان قزلباش کے والد صاحب گزشتہ دنوں آزاد کشمیر میں انتقال فرما گئے ہیں ان کے لیے دعا کی درخواست ہے۔

آپ کی آراء اور ہمارا عمل

خدام الدین کی ترتیب و تزئین کے بارے میں ہمیں آپ کی آراء کی ضرورت ہے۔ آپ بتائیں کہ اس میں کیا خامیاں ہیں تاکہ ہم انہیں آپ کی منشاء کے مطابق درست کریں اور یہ بھی بتائیں کہ اس میں کیا خوبیاں ہیں تاکہ ہم انہیں مزید بڑھانے کی کوشش کریں۔ آپ کی آراء اور ہمارا عمل انشاء اللہ خدام الدین کو معیاری بنانے میں ممد و معاون ثابت ہو گا۔ (مدیر معاون)

معاشرہ کے ناسور

خاموش مبلغ

دل صاحبِ اولاد سے انصاف طلب ہے

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلے میں کہ ایک شادی شدہ عیال دار عورت مسماۃ م اپنے خاوند ح سے لڑ جھگڑ کر اپنے ایک آشنا ڈاکٹر کے گھر آباد ہو چکی ہے۔ تنسیخ نکاح کے متعدد مقدمات ناکام ہو چکے ہیں۔ کم و بیش، آٹھ سال کے دوران پانچ عدد ناجائز بچے بھی پیدا ہو چکے ہیں۔ اور ان کی ولدیت بے نکاح آشنا کا نام ہی بلدیہ کے رجسٹر پیدائش و اموات میں درج ہوتا رہا ہے۔ اس کے خاوند کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ مذکورہ ناجائز بچے شرعاً و قانوناً اسی کی اولاد شمار ہوتے ہیں اور اس کی جائداد و ترکہ میں وارث بن سکتے ہیں تو اس نے اس عورت سے ایک رجسٹری شدہ دستبرداری نامہ لکھوا کر اس عورت کو طلاق دے دی اور یہ طے پایا کہ یہ عورت آئندہ اپنے خاوند کے حقیقی بچوں کی وارث نہ ہو گی اور اس عورت کے ناجائز بچے اس خاوند کی جائداد و ترکہ کے حقدار نہ ہوں گے۔

طلاق حاصل کر لینے کے بعد ڈاکٹر مذکور نے اس عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اور نکاح پڑھوانے کے لیے متعدد علماء کرام کی خدمت میں درخواست کی۔ مگر دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث مختلف الخیال علماء نے شرعی عدتِ طلاق پوری کیے بغیر نکاح پڑھنے سے انکار کر دیا۔ بالآخر ایک نیم ملّا خطرہ ایمان کو کچھ لالچ یا فریب دے کر نکاح پڑھنے پر آمادہ کر لیا گیا اور مبینہ طور پر غیر شرعی نکاح پڑھوا لیا گیا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس عورت کے ناجائز بچے جو اس کے آشنا ڈاکٹر کے نطفہ سے بیان کیے جاتے ہیں ڈاکٹر مذکور کی اولاد قرار دیے جا سکتے ہیں یا نہیں۔ اور یہ بچے آشنا مذکور کی جائداد اور ترکہ میں حقدار بن سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ ڈاکٹر مذکور کی حقیقی بیوی اور اولاد بھی موجود ہے۔ ان بچوں کا نام ڈاکٹر مذکور کے خاندانی شجرہ میں جگہ پا سکتا ہے یا نہیں؟ امور شرعیہ میں حلال و حرام کی پروا نہ کرنے والے جوڑے سے برادری والوں کو معاشرتی مقاطعہ (بائیکاٹ) ضروری ہے یا نہیں؟ بیّنوا و توجروا۔

المستفتی "خاموش مبلغ" ملتان

الجواب

مبسملاً و محمداً و مصلیاً و مسلماً ——— جب تک ح کا نکاح باقی ہے م اسی کی بیوی ہے جو اولاد م سے ہو گی ح کی ہی قرار دی جائے گی، اسی کی وارث بنے گی۔ بحکم حدیث شریف الولد للفراش وللعاهر الحجر (اولاد اسی کی ہے جس کی بیوی ہے زناکار کے لیے پتھر ہیں) عدّت کے اندر نکاح صحیح نہیں دوبارہ بعد عدّت نکاح کرنا ضروری ہے۔ زنا سے نسب ثابت ہی نہیں ہو سکتا نہ وہ اس کے بچے ہو سکتے ہیں نہ ڈاکٹر کے وارث بنیں گے۔ یہ سب بچے تو ضابطہ میں ح کے بچے اور اسی کے وارث ہیں سوائے اس کے کہ ح لعان کرتا اور نسب قطع کرا لیتا تب وہ اس کے وارث نہیں ہو سکتے تھے۔ غیر شرعی حکومتوں میں لعان نہیں ہوتا اس لئے ح سے نسب قطع نہیں ہو سکتا۔ طلاق دینے اور لکھ دینے سے کچھ نہیں ہوتا یہ جو کچھ طے پایا ہے سب غلط ہے۔ جو جو عورت کے بطن سے پیدا ہوئے سب اس کے وارث ہیں حلالی بھی حرامی بھی اور ان سب بچوں کی یہ وارث ہو گی۔ — خواہ میل جول کے وقت کے ہوں یا اختلاف کے وقت کے ہر دو قسم کے بچے ح سے وراثت پائیں گے۔

ڈاکٹر کے نہ یہ بچے ہیں نہ اس کے یہ وارث نہ وہ اُن کا وارث ہے۔ ہاں جو بچہ اس غیر شرعی نکاح

کے بعد ہوگا تو چونکہ نکاح سے شبہ کی صورت پیدا ہو گئی ہے وہ البتہ ڈاکٹر کا وارث ہوگا اور بغیر نکاح صحیح کے عورت فوت ہو گئی تو یہ اس کی وہ اس کا وارث ہی نہ ہوں گے۔

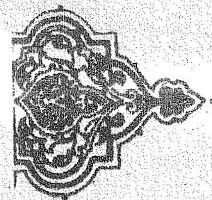
حدیث شریف ہے کہ جو شخص تم میں سے خلافِ شرع کام دیکھے تو اس کو ہاتھ یعنی قوت و طاقت سے بدل ڈالے، اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے کہے اس میں بھی خطرہ ہو تو دل سے بُرا جانے اور یہ ایمان ضعیف ہے۔ اس لیے جو تدبیر ان کا صحیح نکاح کرانے کی ہو سکے وہ واجب ہے۔ مقاطعہ یا مقدمہ یا کچھ اور۔

دستخط (حضرت مولانا) جمیل احمد تھانوی
مفتی جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن، لاہور
۲۳ محرم ۱۳۹۵ھ
(مہر مدرسہ)

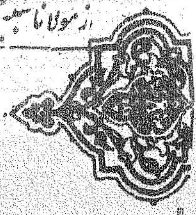
الجواب

صورت مسئولہ میں بر تقدیر صحتِ واقعہ عورت مذکورہ کی اولاد کا نسب اس غیر شرعی خاوند سے ثابت نہیں اس لیے اس کا ترکہ اس اولاد کو نہیں ملے گا۔ نیز طلاق کے بعد عدت گزرنے سے قبل جو نکاح پڑھا گیا ہے یہ نکاح بھی باطل ہے۔ اہلِ اسلام پر لازم ہے کہ وہ اس غیر شرعی جوڑے سے تمام تعلقات ختم کریں۔ فقط واللہ اعلم۔

دستخط (مولانا) محمد اسحٰق صاحب نائب مفتی مدرسہ خیر المدارس ملتان ۱۴/۱/۹۵ھ
الجواب صحیح (مولانا) شمس الحق صاحب دار الحدیث رحمانیہ ملتان
الجواب صحیح (مولانا) عبدالستار صاحب نائب مفتی خیر المدارس ملتان
الجواب صحیح (مولانا) محمد شریف صاحب شیخ الحدیث جامعہ رضویہ مظہر العلوم ملتان
جواب باصواب ہے (مولانا) ہدایت اللہ صاحب پسروری جامعہ رضویہ مظہر العلوم ملتان۔ ۲۴/۱/۹۵



ماحول بدل ڈالو



از مولانا شبیہ حسن نظامی

انسان کا مادی ماحول اس کی شخصیت اور خودی کو شدید اور مربوط بنانے میں ممد ہوتا ہے اس لئے مومن کو اپنی تربیت و تہذیب کے لئے موزوں اور مفید ماحول بنانا چاہیئے۔ خدا پرست ہوں یا مادہ پرست ان کو بنا بنایا ماحول ملا نہیں کرتا اور نہ کوئی دوسرا بنا کر دیتا ہے بلکہ انہیں اپنے فکر و شعور سے زمانہ سے جنگ کر کے اپنی ہر پیاری چیز قربان کر کے اسے بنانا پڑتا ہے

سیاسی و مادی اعتبار سے مسلمانوں کے زوال و شکست اور پستی و درماندگی کا سب سے بڑا سبب یہ بھی ہے کہ انہوں نے قرآن پاک اور احادیث نبویہ کی روشنی میں نہ اپنی حقیقت کو سمجھا اور نہ دنیا کی حقیقت سے آگاہ ہوئے اس لاعلمی اور بے خبری نے انہیں مادی اعتبار سے ذلیل و خوار اور تباہ و برباد کر دیا۔ علمائے حق، مجددین امت اور ارباب دانش و بینش نے انہیں ہمیشہ ہر جگہ اور ہر ماحول میں اپنی اور دنیا کی حقیقت سے آشنا کرنے کی پیہم اور متواتر کوششیں کیں مگر یہ اب تک لاعلمی اور بے شعوری کے جہنم میں آزادی کے نعرے لگا رہے ہیں اور اپنی قوت و شوکت کی ڈینگیں مار رہے ہیں۔

علم ربانی ماضی و حال اور مستقبل تینوں زمانوں کا شناسا ماضی کی حقیقتوں اور صداقتوں کا سرگرم محافظ و علم بردار موجودہ حالات اور عصر حاضر کے تقاضوں سے بخوبی واقف اور روشن مستقبل کا سرچ لائٹ ہوتا ہے اس کا مومنانہ عزم تینوں زمانوں پر حاوی رہتا ہے وہ خوابیدہ قوم کو اپنی شوکت و عظمت کھو کر زمانہ کے افکار و حوادث میں ڈوب جانے دیتا ہے نہ اغیار و اجانب کی اندھی تقلید میں گم کردہ راہ ہونے دیتا ہے اور اس کا وجود یاس و شکست جمود و تعطل بے بسی اور مجبوری کے جذبات کا سب سے بڑا دشمن ہوتا ہے۔

ایسا مرد حق آگاہ شخص یہ درس نہیں دیتا "چلو تم اُدھر کو جدھر کی ہوا ہو" زمانہ کو اپنا ہادی اور امام بناؤ۔ اور ماحول سے سازگاری پیدا کرو بلکہ اس کا نعرہ یہ ہوتا*۔ ایسی جلیل القدر ہستی اور گرامی شخصیت اگر منجانب اللہ اصلاح خلق اور دعوت الی اللہ کے لئے مبعوث کی جاتی ہے تو اس کو نبی اور پیغمبر کہا جاتا ہے۔ اگر وہ نبی کا اُمتی ہو تو اس کو مجدد مانا جاتا ہے اگر وہ محدود پیمانہ پر قیام حق و صداقت و عدل کا فریضہ انجام دے اور وہ ایک باعمل اور صاحب سیرت و کردار ہستی ہو تو وہ مصلح ہوتا ہے اور اگر خود باعمل اور صالح نہ ہو تو اس داعی، شاعر، مفکر اور مدبر کہہ سکتے ہیں۔

بہرحال مومنانہ بصیرت اور مسلمانہ سیرت و کردار رکھنے والا شخص صرف خداوند تعالیٰ کا بندہ ہوتا ہے وہ اور کسی حال میں بھی غیر اللہ کی بندگی اختیار نہیں کرتا اور اگرچہ اکیلا اور بے سر و سامان ہو مگر اس حال میں بھی نعرہ لگاتا ہے کہ اس کائنات میں کوئی ہستی اس لائق نہیں کہ انسان اس کے سامنے سر تسلیم خم کرے اس شعور و یقین سے اس میں قہر و جلال قوت و شوکت و تقویٰ و طہارت شرافت و وجاہت اور انسانیت کے تمام اعلیٰ جوہر و کمالات پیدا ہو جاتے ہیں۔

سچا مومن اور مادی ماحول

سچا مومن خدا تعالیٰ کی صفت خالقیت و ربوبیت سے کماحقہٗ واقف و آگاہ ہوتا ہے اس لئے وہ اپنے اندر یہ دونوں صفتیں پیدا کرتا ہے وہ سمجھتا اور جانتا ہے کہ اس مادی دنیا کو بھی خدا تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے اس لئے کائنات کی ہر شے کسی نہ کسی حد تک اپنے پیدا کرنے والے کا رنگ و روغن اپنے اندر لئے ہوئے ہے اس بنا پر یہ مادی دنیا درحقیقت اپنی مادیت میں بھی روحانی عنصر کو چھپائے ہوئے ہے اور دیدہ بینا کے لئے معرفت الٰہی کا ذریعہ ہے پس انسان اور اس مادی دنیا میں جو اس کا ماحول بنتی ہے اشتراک اصل ہے اسی اشتراک کی وجہ سے ایک مومن اس قابل ہوتا ہے اپنے ماحول سے تامل کر سکے اور خذ ما صفا و دع ما کدر کے اصول پر عمل پیرا ہو کر دنیا کی سب سے بڑی مادی و روحانی طاقت بن جائے۔

سچا مومن وہ ہے جو مخلوقات الٰہی کو اپنے فکر و عمل کی گرفت میں لاتا اور اشیاء عالم سے استفادہ کرتا ہے لیکن مادی ماحول سے نہ مطمئن ہوتا ہے نہ مرعوب اس کی ذہنیت اور دلی کیفیت ایک پردیسی کی سی ہوتی ہے وہ جس کام کے لئے پردیس جاتا ہے اسی کام میں مصروف رہتا ہے اس کام کی سرانجام دہی میں سب کچھ بھول جاتا ہے

* زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز

لیکن جب کچھ فراغت نصیب ہوتی ہے تو پھر شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے وطن کے خواب دیکھنے لگتا ہے، جسم اس کا کام میں لگا رہتا ہے اور دل یار کی حضوری کے مزے لوٹتا ہے۔

مادی ماحول اور مقصد عظیم

یہاں خام عقلیں پکار اٹھتی ہیں کہ خالق کائنات نے انسان کو اس ناسازگار ماحول اور گندی دنیا میں بھیجا ہی کیوں، عقل پرستوں کا "یہ کیوں" بڑا اندھا اور نادان ہوتا ہے اس کیوں نے ہی دنیا میں مادہ پرستی کی بنیاد رکھی اور انسانوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس میں ایک ربانی مقصد کار فرما ہے اور وہ یہ کہ انسان دنیا میں آکر اپنی تمام فکری صلاحیتوں اور عملی قوتوں کو کام میں لائے۔ متضاد قوتوں کے ٹکراؤ سے اس کے جوہر کھلیں خیر و شر کی قوتوں میں تمیز کرے اپنے خالق و مالک کو پہچانے نفس و شیطان پر قابو پاکر اپنے معبود حقیقی کی اطاعت و بندگی اختیار کرے الٰہی رنگ سے رنگین اور خدا تعالےٰ سے قریب تر ہو جائے اسی طرح اس کی تطہیر و تعمیر اور تشکیل و تکمیل ہو۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

"ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل نہیں بنایا"

یہاں انسان ایک مقصد عظیم لے کر آتا ہے اس کے راستہ میں کچھ رکاوٹیں دقتیں اور مشکلات بھی ڈال دی گئی ہیں تاکہ ان سے اس کی فکری و عملی قوتیں بیدار و ہوشیار ہوں اور قانون الٰہی کے ماتحت کامل نشوونما پائیں۔ لہٰذا انسان کا مادی ماحول نہ کلیتًا ناسازگار و نامناسب ہے اور نہ کلیتًا سازگار و مناسب انسان کو نہ اس مادی ماحول سے اس قدر بیگانہ اور بے تعلق ہونا چاہیئے کہ دنیا میں رہ کر دنیا والوں سے روپوش ہو جائے اور نہ اس قدر مانوس و فریفتہ ہو کر بس اسی کا ہو رہے مادیت کی گود میٹھی نیند سو جائے اور مرنے کے بعد سیدھا جہنم میں چلا جائے۔

مومنانہ فکر ناسازگار ماحول میں تقویت پاتا ہے

اب حقیقت ابھر کر ہمارے سامنے آگئی کہ انسان کا مادی ماحول اس کی شخصیت اور خودی کو بیدار، شدید، مضبوط اور مربوط بنانے میں ممد ہوتا ہے اس لئے مومن کو اپنی تربیت و تہذیب کیلئے موزوں اور مفید ماحول بنانا چاہیئے خدا پرست ہوں یا مادہ پرست ان کو بنا بنایا ماحول نہیں ملا کرتا اور نہ کوئی دوسرا بنا کر دیتا ہے بلکہ ان کو اپنے فکر و شعور اپنے نصب العین اور اپنے نظریہ اجتماع کے موافق زمانہ سے جنگ کر کے اور اس جنگ میں اپنی ہر پیاری چیز قربان کر کے اسے بنانا پڑتا ہے جو لوگ زمانہ پر حکمرانی کرتے اور ماحول کو اپنے مزاج کے موافق بنا لیتے ہیں وہی اس دنیا میں اقتدار پاتے ہیں۔

یاد رکھیئے ہمارا فکر اپنے وظیفے کی ادائیگی میں زیادہ سے زیادہ کامیاب اور بار آور اس وقت ہوتا ہے جب ہمارا سامنا ایسے پریشان کن اضطراب انگیز، ہولناک اور پر خطر حالات سے ہوتا ہے جن سے صحیح تعامل کے لئے ہمارے لئے قانون الٰہی کی واضح ہدایت و روشنی گزشتہ تجربات و مشاہدات اور بنے بنائے نتائج و احکام موجود نہیں ہوتے ایسی نئی صورت حال سے دوچار ہونے کی حالت میں فکر مجبور ہو جاتا ہے کہ کامیاب تعامل کے لئے نئے نئے طریقے سوچے اور نئی نئی تدابیر اختیار کرے گزشتہ تجربات و مشاہدات کو مناسب حال نئی ترکیبیں دے کر مفید نتائج حاصل کرے ایسے قدرے ناسازگار اور قدرے موافق ماحول میں ہمارا فکر تقویت پاتا ہے اور مستقبل شاندار و روشن ہوتا ہے۔

فکر مومن کا کامیاب تعامل

مومن کا ماحول سے تعامل کوئی انفعالی حالت نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک تفاعل ہوتا ہے مومن اپنی تعمیر آپ کرتا ہے اپنے استحکام اور کامرانی کی راہیں کتاب اللہ کی روشنی میں خود ڈھونڈتا ہے۔ اپنی انفرادی اور اجتماعی ضروریات کے مطابق ماحول سے مفید اجزا چن لیتا ہے اور مضر اشیا کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیتا ہے اسے ماحول نہیں بناتا بلکہ وہ خود ماحول کو بناتا ہے اس پر ماحول اثر انداز نہیں ہوتا بلکہ وہ خود ماحول پر اثر ڈالتا ہے مگر وہ یہ سب کچھ اس حالت میں کر سکتا ہے جبکہ وہ توحید و رسالت کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لے مومنانہ اوصاف، مومنانہ خصائص کا مالک بن جائے، فرائض حیات سے کماحقہٗ آگاہ ہو جائے اور کتاب و سنت کے دامن ہدایت کو مضبوطی کے ساتھ تھام لے اسلام کے صراط مستقیم پر قائم رہ کر وہ ماحول سے کامیاب تعامل کر سکتا ہے جہاں زندگی کے کسی احاطہ اور مرحلہ میں اسلام کی راہ راست سے قدم ہٹا اور وہ گمراہ اور زمانہ کا غلام ہوا۔

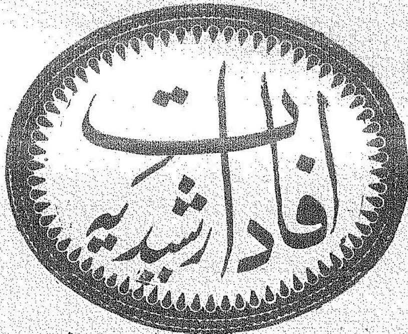
یاد رکھیئے!

- طبلے کی تھاپ پر
- باجے کی آواز پر
- سارنگی کی کیں کیں پر
- گھنگرو کی جھنکار پر
- رنڈیوں کے گانے کی آواز پر جھومنے والی ماؤں کے بطن سے ———

طارق بن زیاد رح، محمد بن قاسم رح اور خالد بن ولید رض جیسے پیدا نہیں ہوتے ——— بلکہ :-

ان کے بطن سے بھنگی، چرسی، شرابی، زانی اور بدکار لوگ ہی پیدا ہوتے ہیں۔

مرسلہ : خاموش مبلغ



قسط نمبر ۳

مولانا سعید احمد صاحب، پالن پوری
استاذ دارالعلوم دیوبند

حدیث النفس سے کوئی محفوظ نہیں

وہ کون ہے کہ حدیث النفس (وسوسہ) سے محفوظ ہے؟

خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی حدیث النفس کا ورود تھا مگر خیر اس کا خیر ہے اور شر اس کا شر، تدبیر خلق اور اصلاح امور معاش و معاد کی حدیث النفس صالحات میں ہے اور خلاف اس کے ضد اس کی ہے۔ الحاصل حدیث النفس وخواطر لازم بشر ہیں ہاں اگر غلبہ ہو کہ ذکر سے مانع وصاد (روکنے والے) ہو جاویں تو بُرا ہے۔ تفرقہ زبوں (بُرا) امر ہے ورنہ کیا اندیشہ ہے؟ ابو الحال کو کوئی خطرہ مضر نہیں ہاں ابن الحال کو ضرر ہے۔ (ص ۲۷)

وقت حضور خطرات کا صدور بھی امر جدید نہیں۔ وہ کون ہے کہ خطرات سے خالی ہو۔ تدابیر دین و دنیا سب خطرات ہیں انبیاء علیہم السلام بھی اس سے خالی نہیں (اور) کیونکر (خالی) ہووے، اگر خطرہ نہ ہو، قصد طاعت وعبادت سب رفع ہو جاوے۔ وہو محال ہاں خطرات خیر خیر ہیں اور شر، شر، خطرہ شر کا دفع کرنا اہل اللہ تعالیٰ کا کام ہے، صحابہ کو خالق میں خطرہ ہوا اور ازالہ اس کا ارشاد ہوا، چنانچہ حدیث من خلق اللہ خود شاہد ہے (ص ۴۲)

خطرات کسی فرد بشر کے رفع نہیں ہوتے البتہ تفرقہ بُرا ہے کہ ایسا ہجوم خطرات کا کہ اصل نسبت سے متفرق کر دیوے اور مشغول بخطرات ہو جائے، اب اس نسبت میں زیادہ مشغول رہنا اور مراقبہ معیت کا کرنا ہی علاج خطرات کا ہے اور بس فقط والسلام (ص ۹۵)

(۳۳) قیام میلاد مروجہ، اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ

ذکر اشغال وسیر اور ولادت

فخر عالم علیہ السلام کا عین سعادت اور ذکر خیر اور موجب برکات کا ہے اور جہاں ذکر آپ کا ہووے گا نزول ملائکہ اور رحمت کا ہووے گا اس میں کسی کو کلام نہیں مگر جب اس کے ساتھ کوئی خرابی لاحق ہو جاوے گی اور کسی طرح کا کوئی امر خلاف شرع مل جائے گا تو اس وقت اس مجلس میں بہ سبب اس امر غیر مشروع کے خرابی ہو جاوے گی، دیکھو نماز نفل عمدہ عبادت ہے مگر جب اس کے ساتھ کوئی امر بے جا ہو جاتا ہے تو وہ بھی مکروہ ہو جاتی ہے۔

پس مجلس مولود میں جو اس زمانہ میں شائع ہے بہت سے امور خلاف شریعت کے پائے جاتے ہیں کہ جس پر شریعت کو اعتراض ہے (مثلاً) حاضر ہونا غیر متشرع لوگوں کا اور اہتمام اس کا زیادہ جمعہ اور جماعت سے، اور ضرور جاننا اس کا، کہ اس کے تارک کو ملامت کریں اور سوائے اس کے یہ چند امور ہیں کہ شارع کو ان پر اعتراض ہے لہٰذا یہ محفل غیر جائز ہوگئی، ورنہ اصل میں تو موجب اجر اور برکت ہی تھی ۔ پس شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس ہی مجلس کا ذکر لکھا ہے کہ ممنوع نہ تھی، کیونکہ اس زمانہ میں ہرگز یہ بدعات (مذکورہ) نہ ہوتے تھے اور اب جو تشدد ہے تو اس زمانہ کی مجالس پر ہے، سوا ایسے وقت میں بے شک یہ مجالس بدعت ہیں، نہ کہ موجب خیرات، لہٰذا تم مجالس اس زمانہ میں شریک مت ہونا، اور ایسا ہی حال قیام کا ہے کہ وہ بھی بدعت ہے فقط (ص ۹۷)

(۳۴) "احاطہ نور" تمہید ہے اور "احاطہ ذات" مقصود

ذکر کے نور کا ملاحظہ

جو ابتداء میں تلقین ہوتا ہے، تو وہ مقصد اصلی نہیں، بلکہ تمہید ہوتا ہے اس کی کہ بتدریج (آہستہ آہستہ) احاطہ ذات کا مورث ہو جاوے، پس "بکل شئی محیط" کا تصور اصل ہے، اور احاطۂ نور کا تصور اس کی ہی غرض سے تھا اب ذکر میں یہی تصور کرو کہ "ان اللہ بکل شئی محیط"۔ ملاحظۂ نور کی ضرورت نہیں کہ وہ مقدمہ (اور) مبداء تھا، اور یہ مقصود اصلی (ہے) اب ذکر ربانی میں بھی احاطہ ذاتی کا لحاظ کرو اور پاس انفاس میں بھی خروج و دخول نفس ذکری میں احاطہ ذاتی کا تصور کرو (ص ۱۵)

(۳۵) خرقۂ مشائخ سے استفادہ کا طریقہ

خرقہ مشائخ تبرک رہتا ہے اور گاہ گاہ اس کو تھوڑی دیر کو بنظر حصول برکت زیب بدن کر لیا پھر باادب رکھ دیا گاہ پہننے کی

برکت بدن و قلب پر اثر کرتی ہے۔ (ص۲۵)

(۳۶) تعیین شغل کی ضرورت مبتدی کو ہے

ضرورت تعیین شغل کی مبتدی کے واسطے ہوتی ہے، منتہی اپنے اختیار میں ہوتا ہے جس امر سے مطلب برآمد ہو، وہی کرے، نہ اس کو قید ذکر زبانی کی ہے کوئی ذکر ہو۔ نہ کسی تصور اور خیال کی۔ غرض کام سے ہے اور بس فقط والسلام (ص۲۸)

(۳۷) شریعت و طریقت کا کمال

راہ سنت میں فتور نہ ہونا چاہیئے، کمال طریقت و شریعت یہی ہے، ورنہ کشف، کرامات، خرق عادات، خلاف شرع (امور) کے ساتھ کچھ وقع (وقعت) نہیں رکھتے، فقط والسلام (ص۳۱)

(۳۸) علم شریعت اور طریقت کا مقصد

تمام شریعت کا علم اور طریقت کا طریقہ "نور یقین" کی تحصیل کے واسطے ہے اور انجام و منتہی سب کا یہی تو ہے کہ جس کو مسلمان سرسری طور سے علم رکھتے ہیں وہ یقین حق یقین، مثل مشاہدہ کے ہو جاوے"۔ یہ انتہا سب طرق کی ہے۔

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے تمام اپنا خان مان اور آبرو و جان کیوں دی تھی؟ کیا دیکھا تھا؟ یہی فیض صحبت فخر عالم علیہ السلام سے یقین حاصل ہو گیا تھا کہ دنیا کا فانی ہونا اور آخرت کا باقی ہونا، اپنا لاشی ہونا، اور حق کا کارساز ہونا یقین ہو گیا تھا پس اس پر مدار سب کا تھا، حضرت سیدی عبدالقادر جیلانیؒ اور خواجۂ خواجگان معین الدین چشتیؒ، اور سید الطائفہ بہاؤ الدین بخاریؒ کیوں بڑے ہو گئے؟ اسی یقین کے سب سے بڑے ہوئے تھے۔ اسی یقین کے سب سے بڑے ہوئے تھے۔

سو عزیز! یہ دولت اگرچہ ہرگز ہرگز سہل نہیں تمام جان و مال دے کر اس سے ایک ذرہ ملے، اور عمر نوح علیہ السلام خرچ کر کے اگر ذرہ ملے تو مفت اور بہت سہل اور جلد ہے مگر تاہم کچھ مشکل نہیں اگر مقدر ہے، ورنہ کچھ بھی نہیں،

الحاصل اگر حاصل نہ ہو پاوے، محصلین کی جماعت میں تو شمار ہو جاوے گا، الحق کہ (یعنی سچی بات یہ ہے کہ) کشف و کرامت ایک جو برابر بھی نہیں اس "نور یقین" کے سامنے، حق تعالیٰ فرماتا ہے وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ" جس قدر یقین ہے اسی قدر قوتِ ایمان و تقرب ہے۔

الحاصل اگرچہ یہ قوتِ تاثیر اور وجد اور کشف اور تصرف دنیا میں بہت ہے مگر یہ "نور یقین" مثل کیمیا کے نادر الوجود ہے اگرچہ عالم خالی نہیں، اشغال سب اس کے مقدمات تھے، اب خود مقصود ہو گئے، پس اپنے شرائط و ارکان کے ساتھ آدمی کار کرے تو قدرِ مقدر پاتا ہے نہ یہ نسبت حقہ معدوم و مفقود اور نہ تحصیل اس کی محال ہے اگرچہ اہل اس نسبت کے ہر روز کم ہو رہے ہیں اور اب اقل قلیل ہیں، مگر عالم خالی بھی نہیں ہے، طرق اربعہ کا اس ہی نسبت پر انتہا ہے اور اس کے ہی واسطے گھر بار ترک کر کے حیران و پریشان ہوتے ہیں۔

سارا مدار اس پر ہی ہے" اس نسبت کا نام نسبت احسان ہے" کہ بعثت جناب فخر رسل علیہ السلام کی اس کے ہی واسطے تھی اور صحابہ جملہ (تمام) اس نسبت کے حامل تھے علیٰ حسب مراتبہم" پھر اولیاء امت نے اس کو دوسرے طریقہ سے پیدا کیا کہ ہر ایک نے اشغال اپنے اپنے طریقہ کے وضع کئے، سو یہ سب مقدمات اس کے ہیں، اور بس، اس کا کوئی طریق معین نہیں (رہے) ہر شخص کا طرز جداگانہ ہے مگر اس زمانہ میں ترکِ تعلق کو شرطِ کامل ٹھہرایا ہے ؎

نخست موعظِ پیرِ محفل این سخن است
کہ از مصاحب ناجنس احتراز کنید

اور پھر کوئی بتلانے والے کی ضرورت شدید ہے، کہ بدون ہادی کس طرح اندھیری راہ کو طے کرے؟ بس زیادہ کیا لکھوں! اپنے حوصلہ سے زائد اور فہم سے خارج ہے اور خود یہ درماندہ تمنا اس کی رکھتا ہے، ہر چند حاصل کچھ نہیں مگر ؎

احب الصالحین ولست منہم
لعل اللہ یرزقنی صلاحًا

(ص۱۰، ص۱۸)

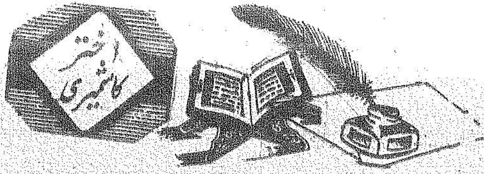
(۳۹) خاندان اور خانوادے

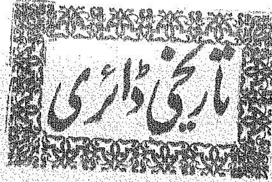
چار خاندان قادریہ[1]، چشتیہ[2]، نقشبندیہ[3] سہروردیہ[4] ہیں اور خانوادہ اس کو کہتے ہیں جو ان میں سے شاخیں نکلتی ہیں، سو شاخیں بہت ہیں چودہ خانوادے جس نے لکھے ہیں (اسکی وجہ یہ ہے کہ) اس وقت میں چودہ تھے اسکے بعد بہت زیادہ ہو گئے ہیں، غرض خانوادہ بہت ہیں، چودہ[14] کسی وقت خاص میں تھے اب چودہ کہنا درست نہیں، پرانا لفظ ہے (ص۸۹)

(۴۰) بُری صحبت کا اثر

جب تم اس طرف میں تھے تو ہر طرح تمہارے حسن معلامات سُن کر خوشی ہوتی تھی، اب اس طرف جاکر تمہارا ایسا حال بدل گیا! اس کی کیا وجہ ہوئی؟ شاید صحبت بددینوں کی باعث اس کی ہوئی ہو؟ (ص۹۳)

(باقی آئندہ)





قابل انسان :—

خلیفہ منصورؒ نے اپنے بیٹے مہدی سے کہا۔ ابو عبداللہ خلیفہ کے لیے ضروری ہے کہ تقویٰ اختیار کرے، بادشاہ کے لیے ضروری ہے کہ رعایا کے مصالح اور امور عامہ کو درست کرے اور رعایا پہ واجب ہے کہ عدل و انصاف کے ساتھ اپنے کاروبار کی تکمیل کرے اور سب سے زیادہ قابل انسان وہ ہے جو عفو و درگزر سے کام لے، قدرت کے باوجود سزا نہ دے اور وہ شخص عقل سے بالکل پیدل ہے جو اپنے سے چھوٹوں پر ظلم کرتا ہو، اور وہ شخص بھی اسی جیسا ہے جو بڑوں کا احترام نہ کرے۔

علاوہ ازیں غور و فکر کے بغیر کسی کام کا پختہ ارادہ نہ کرنا۔ کیونکہ عقل ہی وہ آئینہ ہے جس سے انسان اچھائی اور برائی میں تمیز کرتا ہے۔

اے بیٹے! اللہ کی نعمتوں پر شکر کرو، معاف کرنے کی عادت ڈالو، تالیف قلوب کے ساتھ ساتھ اطاعت شعاری کرنا اور فتح و کامیابی کے بعد لوگوں کے ساتھ ہمیشہ عاجزی و رحدلی سے پیش آتے رہو۔

عدل وانصاف :—

منصور سے کسی نے بصرہ کے قاضی سوار بن عبداللہؒ کی شکایت کی تو اس نے قاضی کو طلب کر لیا۔ ابھی یہ دونوں بیٹھے ہی تھے کہ منصور کو چھینک آئی، تو سوار بن عبداللہؒ نے یرحمک اللہ نہ کہا۔ منصور نے دریافت کیا کہ آپ نے یرحمک اللہ کیوں نہیں کہا؟ سوار نے جواب دیا کہ آپ نے پہلے الحمد للہ کیوں نہیں کہا۔ منصور نے ازراہِ مذاق کہا کہ میں نے دل میں الحمد للہ کہہ دیا تھا۔ قاضی نے کہا میں نے بھی دل میں یرحمک اللہ کہہ دیا تھا۔

اس پر منصور نے کہا۔ آپ جائیے اور قضاء کے امور انجام دیجئے۔ جب آپ نے حق کے خلاف میری موافقت نہیں کی تو دوسروں کی ہرگز رعایت نہیں کر سکتے۔

اصحاب حدیث :—

محمد بن سلامؒ کا بیان ہے کہ منصور سے کسی نے پوچھا آپ کی کوئی تمنا ہے؟

منصور نے کہا ہے! پوچھا گیا کہ وہ تمنا کیا ہے؟

منصور نے کہا کہ میری تمنا یہ ہے کہ ایک چبوترہ ہو اور اصحاب حدیث میرے چاروں طرف ہوں جن سے احادیث نبویؐ سنتا رہوں اور اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی رہیں۔

دوسرے دن جب وزراء مملکت اپنے اپنے سرکاری کاغذات لاتے تو ایک شخص نے کہا امیرالمومنین! مبارک ہو آپ کی تمنا بر آئی۔ جس پر منصور نے کہا تم اصحاب حدیث نہیں بلکہ اصحاب حدیث کی شان تو یہ ہے کہ ان کے لباس بوسیدہ ہوتے ہیں وہ ننگے پاؤں بھی احادیث کی طلب و جستجو میں پھرتے ہیں۔ کیونکہ ان کی زندگی کا مطلب طلب حدیث کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

مشاہیر اسلام

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

از مولانا مظہر علی کامل

نام احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام کنیت ابو العباس لقب تقی الدین عرف ابن تیمیہ ہے۔ امام صاحب کے دادا محمد بن خضر کی والدہ کا نام تیمیہ تھا جو بڑی قابل تھیں۔ ان ہی کے نام سے امام صاحب منسوب ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ کے آباؤ اجداد حران کے باشندے تھے جو دمشق کا ایک گاؤں ہے۔ علم و فضل کے لحاظ سے آپ کا خاندان خاص شہرت رکھتا تھا، آپ کے آباؤ اجداد مشہور علماء و فضلاء میں سے تھے۔

امام ابن تیمیہؒ ماہ ربیع الاول ۶۶۱ھ میں بمطابق ۱۲۶۳ء دمشق کے قریب بمقام حران پیدا ہوئے آپ کا سن سات سال کا تھا کہ تاتاری سیلاب حران تک پہنچ گیا۔ آپ کے والد اپنے اہل و عیال اور ضروری سامان اور کتابیں لے کر سفر کے سخت ترین مصائب برداشت کرتے ہوئے دمشق پہنچے اور یہیں سکونت پذیر ہوگئے امام ابن تیمیہؒ بڑے ذکی اور قوی الحافظہ تھے۔ جب آپ مدرسہ میں زیر تعلیم تھے تو حلب کے ایک شیخ نے بغرض امتحان آپ کی تختی پر گیارہ حدیثیں لکھیں۔ امام صاحب نے ان پر ایک نظر ڈالی اور تمام حدیثیں زبانی سنا دیں۔ پھر شیخ حلب نے احادیث کی کئی اسانید تختی پر لکھیں۔ ان پر بھی آپ نے ایک طائرانہ نظر ڈالی اور پوری سندیں متن و عن سنا دیں۔

کم سنی ہی میں آپ نے قرآن۔ حدیث۔ فقہ۔ ادب۔ فلسفہ وغیرہ تمام علوم مروجہ میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ فقہ اور اصول کی خود اپنے والد اور شیخ شمس الدین سے تعلیم پائی اور ادب عربی ابن عبد القوی سے حاصل کیا۔ علم حدیث میں مشہور ائمہ حدیث کی شاگردی کی۔ ابن عبد الہادیؒ کا بیان ہے کہ امام صاحب کے اساتذہ حدیث کی تعداد دو سو زیادہ ہے مبسوط کتابوں میں جہاں امام صاحب کے اساتذہ کے ناموں کی فہرست دی گئی ہے اس میں زینبؒ کا بھی نام ہے جو بڑی عالم و فاضل خاتون تھیں۔

احادیث کے اسانید و متون زبانی یاد تھے، قرآن حفظ کر لیا تھا۔ حدیث میں الجمع بین الصحیحین زبانی یاد تھی، ذکاوت و ذہانت کا یہ حال تھا کہ جس علم کی طرف آپ نے توجہ کی تھوڑے ہی دنوں میں اس پر عبور حاصل کر لیا۔ علم و فضل کا یہ مرتبہ تھا کہ بعض نے آپ کے متعلق کہا ہے کہ چار سو سال میں آپ کے ہم مرتبہ کوئی عالم پیدا نہیں ہوا۔ بعض نے کہا کہ جس حدیث کو ابن تیمیہؒ نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں ہے۔ تبحر علمی یہ حال تھا کہ کتابوں کو دیکھے بغیر آپ نے اہم موضوعات پر کتابیں تصنیف کیں۔ علمی شغف کا اس قدر شوق تھا کہ قید کے زمانہ میں بھی تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔ آپ فقہ حنبلی کے متبع تھے۔

امام صاحب کے والد متعدد مدارس میں درس دیا کرتے تھے۔ انہوں نے ۶۸۲ھ میں انتقال کیا، جس کی وجہ سے درس کا فریضہ امام ابن تیمیہؒ کے سپرد ہوا۔ آپ دمشق کے دار الحدیث میں درس حدیث اور جامع مسجد دمشق میں درس تفسیر دیا کرتے تھے جس میں علاوہ طلبا کے اصحاب علم و فضل بھی شریک ہوا کرتے تھے۔ کچھ ہی عرصہ میں امام صاحب کی قابلیت کی عام شہرت ہوگئی اور ہر طبقہ کے لوگ آپ کو عظمت کی نظر سے دیکھنے لگے۔

۶۹۰ھ میں حکومت کی جانب سے قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کرنے کے لئے آپ سے کہا گیا۔ مگر آپ نے انکار کیا اور اپنی زندگی کو سرکاری عہدہ کے مخصوص فرائض میں محدود کرنا پسند نہیں کیا اس لئے کہ اس زمانہ میں بدعتوں کا قلع قمع کرنا اور مسلمانوں کی عام اصلاح سب سے اہم اور ضروری کام تھا جس کے لئے سخت اور پیہم کوششوں سے فاسد قوتوں کو شکست دینے کی ضرورت تھی اور اس کام کا امام صاحب نے آغاز کر دیا تھا۔ ہر جمعہ کی نماز کے بعد بسلسلۂ درس قرآن بدعات و عقائد فاسدہ کے خلاف آپ وعظ فرماتے اور قدما کے صحیح عقائد و مسلک پیش کرتے یہ چیزیں بدعتیوں اور حاسدوں کو ناگوار گزریں۔ ان حقیقت ناشناسوں نے امام صاحب کے خلاف ایک محاذ قائم کیا۔ مگر اس زمانہ کے شیوخ و علماء حق امام صاحب کے ساتھ تھے۔ جس کی وجہ سے ان مخالفین کو ناکام ہونا پڑا۔ ۶۹۱ھ میں آپ نے فریضۂ حج ادا کیا۔

امام صاحب سے عقائد کے متعلق ایک فتویٰ طلب کیا گیا جس کے جواب میں آپ نے عقائد کی بعض غلطیاں بیان کر کے علماء سلف کا صحیح مذہب واضح کیا۔ اس فتوے کو عقیدۂ حمویہ کہا جاتا ہے جس کی بنا پر ۶۹۸ھ میں آپ کے خلاف ایک طوفان اٹھا۔ اس فتنہ کے روح رواں وہ لوگ تھے، جو امام صاحب کی شہرت و مقبولیت کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ عقیدۂ حمویہ

کو مختلف معانی پہنائے گئے۔ علماء و فقہاء کو آپ کے خلاف بھڑکایا گیا جن میں قاضی جلال الدین حنفی بھی شریک تھے۔ ایک روز تمام مخالفین دار الحدیث میں پہنچے اور گفتگو کے لئے امام صاحب کو بلایا مگر آپ تشریف نہ لائے اور لکھ بھیجا کہ عقائد کے معاملہ میں سلطانِ وقت کو بہ حیثیت حکم تصفیہ کا اختیار ہے، کسی اور کو ایسا حق حاصل نہیں ہے اس جواب سے قاضی جلال الدین بڑے غضب ناک ہوئے اور یہ فتویٰ دیا کہ ابن تیمیہ کا عقیدہ غیر صحیح ہے۔ اب مخالفین نے امام صاحب کے مقابلہ میں کھلے بندوں مخالفت شروع کر دی لیکن دمشق کا نائب السلطنت امام صاحب کے صحیح عقائد سے واقف تھا اس نے مخالفین کی سرکوبی کی پھر امام صاحب نے ایک مجمع میں جس میں قاضی امام الدین شافعی بھی موجود تھے، عقیدۂ حمویہ کی وضاحت کی اس پر حاضرین جلسہ نے اس عقیدہ کی صحت تسلیم کی اور قاضی امام الدین نے اعلان کیا کہ جو شخص بھی ابن تیمیہ پر بد عقیدگی کا الزام لگائے گا اس کو سزا دی جائے گی۔ اس طرح یہ فتنہ فرو ہو گیا۔

نصر المنبجی قاہرہ میں بڑا صاحبِ اثر اور وحدت الوجود کا قائل تھا۔ امام ابن تیمیہ نے نصر کو ایک طویل خط بھیجا جس میں اس کے عقائد کا تفصیلی رد لکھا تھا۔ نصر اس خط سے امام صاحب کا مخالف ہو گیا۔ اس نے خلافِ واقعہ امور امام صاحب کے متعلق مشہور کئے اور آپ کو بد عقیدہ ظاہر کیا۔ قاضی ابن مخلوف مالکی اور دوسرے ذی اثر اشخاص بھی اس مہم میں نصر کے شریک ہو گئے، امراء و حکامِ وقت کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے یہ باور کرایا گیا کہ ابن تیمیہ کا ارادہ محمد بن تومرت کی طرح ایک سلطنت قائم کرنے کا ہے۔ اس طرح مذہبی و سیاسی دونوں حیثیتوں سے عوام، علماء اور حکام سب کو اس مہم میں شریک کیا گیا اور ہر طرف سے امام صاحب کے خلاف شور مچایا گیا۔ بالآخر دربارِ سلطانی سے دمشق کے نائب سلطنت کو یہ فرمان دیا گیا کہ امام ابن تیمیہ کے عقائد کی جانچ کی جائے، چنانچہ بہ تعمیل فرمان کئی مجلسیں ہوئیں، جن میں علماء فقہاء و قضاۃ سب شریک تھے، ان مجالس میں عقائد کے متعلق امام صاحب سے مباحث ہوئے، آپ نے اعتراضات کے دندان شکن جوابات دیئے اور سبھوں نے یہ تسلیم کیا کہ ابن تیمیہ عقائدِ اہل سنت کے معتقد ہیں، جس پر دربارِ سلطانی سے یہ فرمان آیا کہ امام ابن تیمیہ پر غلط الزامات لگائے گئے تھے۔ دراصل وہ علماءِ سلف کے عقائد پر ہیں۔ اس کے بعد مخالفین کے حوصلے پست ہو گئے اور شورش ختم ہو گئی۔

امام تیمیہؒ صرف علم و فضل ہی کے مردِ میدان نہیں تھے، علماءِ عصر جدال و قتال کے بھی شہسوار تھے۔ دوسرے ائمہ کے مقابلہ میں آپ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ سیف و قلم دونوں کے آپ ماہر تھے۔ خدا نے آپ کو ایسی قابلیتوں اور صلاحیتوں سے سرفراز فرمایا تھا کہ آپ نے زمانۂ امن و جنگ دونوں میں ملت کی گرانقدر خدمتیں انجام دیں۔ جب فلسفہ و کلام کی موشگافیوں سے ملت کے عقائد نے غلط راہ روی اختیار کی، اس وقت آپ نے اپنے علم و فضل سے امتِ مسلمہ کو گمراہی سے بچایا اور بلا خوف لومت لائم صحیح عقائد کی تلقین کی۔ اور جب وقت ملت پر خارجی مصائب و آلام کا وقت آیا تو آپ نے جرأت و بہادری سے سربکف ہو کر مسلمانوں کی بے مثل خدمت کی ۶۹۹ھ میں قازان خان تاتاری نے شام پر حملہ کیا اور اس کے مقابلہ میں سلطان ناصر بادشاہِ مصر نے شکست کھائی اور حمص پر قازان کا قبضہ ہو گیا۔ جس کی وجہ دمشق میں بدامنی اور ہراسانی پھیل گئی۔ حقیقت میں یہ زمانہ دمشق کے مسلمانوں کے لئے بڑا خطرناک تھا۔ اس نازک دور میں امام صاحب خود قازان سے ملاقات کر کے امن کا حکم نامہ حاصل کیا، جس سے عام بے اطمینانی تو دور ہو گئی۔ مگر فوج نے غارت گری اور لوٹ مار شروع کر دی۔ ایسے اندیشناک موقعہ پر امام صاحب نے خود کو خطرہ میں ڈال کر بہ نفسِ نفیس شہر کا گشت لگایا اور ہر طرف امن و سکون قائم کیا۔

۷۰۰ھ میں جب یہ اطلاع ملی کہ پھر تاتاریوں نے شام پر حملہ کی تیاریاں شروع کی ہیں تو امام صاحب نے مسلمانوں میں دعوتِ جہاد کا آغاز کیا۔ سب کو جرأت و بہادری کی تاکید کی اور ہر مسلمان کے دل میں شوقِ جہاد کا ولولہ پیدا کر دیا پھر قازان سے گفتگو کرنے کے لئے ایک وفد ترتیب دیا جس میں خود امام صاحب بھی شریک تھے۔ آپ نے قازان سے بڑی جرأت و بے باکی سے گفتگو کی۔ قازان نے آپ کی بے حد تعظیم و تکریم کی اور آپ کے ارشادات کو قبول کیا جس کی وجہ سے مسلمان بربادی سے بچ گئے۔ اس کے تقریباً ڈھائی تین سال کے بعد پھر تاتاریوں نے شام پر فوج کشی کی۔ سلطان ناصر سابقہ شکست کی وجہ سے پست ہمت ہو چکا تھا۔ امام صاحب نے فوراً مصر پہنچ کر جہاد کی دعوت شروع کی اور ایسے موثر وعظ کہے کہ شکست خوردہ و مرعوب ذہنیتوں میں انقلاب پیدا ہو گیا۔ اور مسلمان اپنے جوشِ ایمانی سے جہاد میں شرکت کے لیے آمادہ ہو گئے۔ سلطان ناصر اپنے لشکر کے ساتھ شام روانہ ہوا۔ بہ مقام شقحب تاتاری فوج سے جنگ شروع ہوئی، میدان میں امام صاحب کا یہ حال تھا کہ کبھی آپ شیر کی طرح دشمنوں سے مقابلہ کرتے اور کبھی مسلمانوں کو ہمت دلانے اور ثابت قدم رہنے کی تاکید فرماتے۔ آپ کی یہ مخلصانہ کوششیں کامیاب ہوئیں تاتاری شکست کھا کر بھاگے اور مسلمان اپنے جوشِ ایمانی اور بہادری کی بدولت فتح یاب ہوئے۔

اس کے بعد جبل کسروان کے اسماعیلیہ و نصیریہ وغیرہ فرقوں سے امام صاحب نے جہاد کیا اور کامیاب ہوئے۔ ان کامیابیوں کے بعد امام صاحب

کی شہرت و ناموری میں اور اضافہ ہو گیا جس کی وجہ سے عوام، امراء حکام سب آپ کے انتہائی معتقد ہو گئے اور اسی عظمت و مقبولیت عام نے پرانے دشمنوں کو پھر مخالفت پر اکسایا نصر منبجی نے اس دفعہ بڑی شدت سے آپ کی مخالفت پر کمر باندھی، اس کے ساتھ اس کا معتقد بیبرس چاشنگیر بھی تھا جو مصر کا بڑا صاحب اثر تھا۔ نصر نے پھر یہ شہرت دی کہ ابن تیمیہ کو حکومت کی تمنا ہے۔ یہ ابن تومرت کی طرح سلطنت قائم کرنے کا مخفی ارادہ رکھتے ہیں۔ شغب اور کسروان کی کامیابیوں نے اور عام مقبولیت نے ان کے حوصلے بلند کر دیئے ہیں۔ اس سے حکومت کے بام و در لرز گئے اور دمشق سے امام صاحب کو مصر طلب کیا گیا۔ یہاں ایک بڑا اجتماع ہوا۔ جس میں علماء قضاۃ اور عوام سب شریک تھے۔ اس میں آپ کے عقائد کے خلاف اعتراضات پیش ہوئے، آپ ان کے جوابات ادا کرنا چاہتے تھے مگر مختلف بدعنوانیوں اور شور و شغب کی وجہ سے آپ کو موقعہ نہ ملا۔ بالآخر آپ کو قید کا حکم دیا گیا اور فرمان جاری ہوا کہ جو ابن تیمیہ کا ہم عقیدہ ہوگا اس کی سزا دی جائے گی۔ تقریباً ڈیڑھ سال کے بعد امام صاحب کی رہائی عمل میں آئی اور آپ حسب سابق درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔

اس زمانہ میں خانقاہ نشین پیروں اور صوفیوں نے وحدت الوجود کے مسئلہ کی تلقین شروع کر کے عوام کے عقائد کو غلط راستہ پر ڈال دیا تھا۔ امام صاحب نے وحدت الوجود کے خلاف ایک مہم جاری کی اس پر صوفیوں اور مرشدوں نے شور مچایا اور حکومت کے پاس شکایت پیش کی۔ قدیم مخالفین نے بھی صوفیوں کا ساتھ دیا، اور پھر امام صاحب قاہرہ میں قید کر دیئے گئے۔ اس دفعہ ہر شخص آپ سے جیل میں بلا روک ٹوک مل سکتا تھا۔ اس لئے کثرت سے لوگ آپ کے پاس آتے اور دینی مسائل میں تشفی حاصل کرتے تھے۔ یہ چیز بھی مخالفین کو ناگوار گزری ان لوگوں نے کوشش کر کے امام صاحب کو اسکندریہ کی جیل میں منتقل کرا دیا۔

۷۰۹ھ میں مصر کے سیاسی حالات میں انتشار پیدا ہو گیا تھا بیبرس چاشنگیر نے ملک مظفر کا لقب اختیار کر کے عوام سے بیعت لی تھی۔ ان حالات کی خبر پا کر سلطان ناصر مصر آیا اور ابن تیمیہ کو سکندریہ سے بلا کر بڑی عزت سے ملا۔ اس کے بعد آپ قاہرہ ہی میں مقیم رہے۔ جب سلطان ناصر تاتاریوں کی سرکوبی کے لئے شام روانہ ہوا تو امام صاحب بھی لشکر کے ہمراہ شام آئے۔ بیت المقدس کی زیارت کر کے دمشق پہنچے اور یہاں عرصہ تک درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔

مسئلہ حلف طلاق میں عام فقہاء سے امام صاحب کی رائے مختلف تھی اس معاملہ میں بھی بڑا شور مچا اور امام صاحب کو فتویٰ دینے کی ممانعت کی گئی۔ مگر آپ نے کہا کہ علم کا چھپانا ناجائز ہے۔ اس لئے میں اس حکم کی تعمیل نہیں کر سکتا۔ چنانچہ خلاف ورزی احکام سلطانی کی پاداش میں آپ کو قید کر دیا گیا۔ جس سے تقریباً پانچ مہینہ کے بعد رہائی پائی اور پھر علمی مشاغل میں مصروف ہو گئے۔ ہر قید و رہائی کے بعد آپ کی مقبولیت و ہر دلعزیزی میں اضافہ ہوتا گیا، اور یہی چیز آپ کے دشمنوں کی آتش مخالفت کو تیز کرتی رہی۔ تقریباً ۲۱،۲۰ سال پہلے امام صاحب نے انبیاء و صالحین رحم کی زیارت قبور کے لئے سفر کرنا ناجائز قرار دیا تھا۔ اب مخالفین نے اس مسئلہ کو بڑے زور و شور سے اٹھایا۔ کئی مشہور فقہاء نے امام صاحب کے کفر کا فتویٰ دیا۔ اور آپ کو واجب القتل قرار دیا۔ مگر سلطان ناصر نے ان کے قتل کو تو منظور نہیں کیا، لیکن امام صاحب کو قید کا حکم دیا گیا آپ قلعہ دمشق میں قید کر دیئے گئے۔ آپ کے بھائی شیخ شرف الدین عبداللہ اور زین الدین عبدالرحیم اپنے عزیز بھائی کا تنہا جیل میں رہنا پسند نہ کر کے خود بھی آپ کے ساتھ جیل میں داخل ہو گئے۔ اسی قید میں شیخ شرف الدین نے انتقال کیا۔ قلعہ کے باہر ان کی نماز جنازہ ادا ہوئی مگر امام صاحب کے شاگردوں اور معتقدوں پر بھی زیادتیاں کی گئیں۔ ان میں سے بعضوں کو قید کیا گیا۔

امام صاحب کے مشہور شاگرد ابن قیم جوزی بھی عرصہ تک قید میں رہے۔ اس زمانہ میں بھی امام صاحب تصنیف و تالیف میں مصروف رہے قرآن کی اہم آیتوں کی تفسیر لکھی۔ آپ کے کفر کو جو فتویٰ دیا گیا تھا۔ اس کا جواب لکھا اور فتویٰ کو وزنی دلائل کے ساتھ غلط قرار دیا۔ اور جب آپ کی ان تحریروں کی اشاعت ہوئی تو ان کے خلاف بھی قدم اٹھایا گیا اور فرمان نافذ ہوا کہ ابن تیمیہ کے پاس کوئی سامان نوشت و خواند نہ رہنے پائے۔ اس کے بعد آپ نے آخری تحریر کوئلے سے لکھی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر مجھ کو کوئی اصلی سزا دی گئی ہے تو وہ صرف یہی ہے۔

اس امتناع کے بعد آپ تلاوت قرآن و ذکر میں مصروف رہتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ اگر میں اس قلعہ کے برابر سونا صرف کروں۔ تب بھی اس نعمت کا شکر ادا نہیں کر سکتا، جو مجھے اس قید سے حاصل ہوئی ہے۔ آپ تقریباً بیس روز علیل رہے اور ذیقعدہ ۷۲۸ھ مطابق ۱۳۲۸ء بحالت قید آپ نے انتقال کیا۔ نوشت و خواند کی ممانعت کے بعد آپ نے (۸۱) ختم قرآن کئے بوقت وفات آخری ختم قرآن

کے دوران یہ آیت آپ کے زیرِ تلاوت تھی: ان المتقین فی جنات ونہر فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر۔ (یعنی پرہیزگار لوگ باغوں میں اور نہروں میں ہوں گے، ایک عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے پاس)

انتقال کی خبر ملتے ہی دمشق کی تمام دکانیں بند ہوگئیں اور لوگ دیوانہ وار جامع دمشق اور قلعہ میں جمع ہوگئے۔ علماء، امراء، عوام، عورت، بچے سب ہی نے جنازہ میں شرکت کی، مجمع کا کم از کم اندازہ ڈھائی لاکھ نفوس کا کیا گیا ہے۔ دمشق کے مقبرہ صوفیہ میں آپ کو دفن کیا گیا۔

ابتدائی دور میں تصوف کو عبادت و ریاضت کا ایک خاص طریقہ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ اس میں کچھ خصوصیتیں پیدا ہونے لگیں۔ اور دوسری تیسری صدی ہجری سے تصوف نے علم باطن کے نام سے ایک مستقل صورت اختیار کرلی۔ اس طرح اسلام میں دو گروہ پیدا ہوگئے، ایک اصحاب ظاہر، دوسرے اصحاب باطن۔ اس تفریق نے ہر گروہ کو دوسرے کے مقابلہ میں صف آرا ہونے کا موقعہ فراہم کیا۔ جس سے روز بروز نئے نئے مسائل پیدا ہونے گئے، اسی طرح باہمی اختلافات میں بھی شدت ہوتی گئی۔ پھر ائمہ تصوف نے وحدت الوجود، حلول، اتحاد، وحدت ادیان وغیرہ کے ایسے مسائل پیدا کئے جن سے اور انتشار پھیلا، شہاب الدین مقتول اور حسین بن منصور حلاج کے واقعات نے ایک جماعت کو دوسری جماعت کا جانی دشمن بنا دیا۔ یہ دو بالمقابل جماعتیں فقہا اور صوفیا کی تھیں فقہا احکام دین کی سختی سے پابندی چاہتے تھے اور صوفیا کے ہاں احکام دین کی پابندی کی اتنی اہمیت نہیں تھی۔ ان دونوں میں بنیادی مسئلہ وحدت الوجود کا تھا جس کی فقہا نے ابتدا سے سخت مخالفت کی خصوصاً اپنے دور میں امام ابن تیمیہؒ نے صوفیا کی تعلیمات پر شدید اعتراضات کئے۔ عقلی و نقلی دلائل سے ان کی غلطیوں اور لغزشوں کو ثابت کیا۔ اس سلسلہ میں امام صاحب نے متعدد کتابیں اور کئی رسائل لکھے جن میں خصوصیت کے ساتھ حلول اور اتحاد اور وحدت الوجود کے مسائل پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

امام صاحب نے ایک فتویٰ بھی شائع کیا تھا جس میں ضریح و تعزیہ وغیرہ کی زیارت اور اولیا کے توسل کو خلاف شرع قرار دیا تھا امام صاحب نے ابن عربی، ابن الفارض، تلمسانی وغیرہ پر جو وحدت الوجود کے قائل تھے، بڑی شدت سے اعتراضات کئے ہیں۔ اور ثابت کیا ہے کہ یہ عقیدہ وحدت الوجود، اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔ ایسے نازک دور میں جب کہ اسلامی تعلیمات کے خط و خال بدلے جا رہے تھے، امام صاحب نے بڑی جرأت کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔ اور اسلام کی بنیادی تعلیمات کی حفاظت کرکے دین اسلام کی وہ بے مثال خدمت کی ہے جس کی یاد رہتی دنیا تک باقی رہے گی۔

امام ابن تیمیہؒ نے شادی نہیں کی، بلکہ علائق دنیوی سے علیحدہ رہ کر اپنی زندگی اسلام اور مسلمانوں کے لئے وقف کردی تھی۔ مذہب و صداقت کی حمایت میں قید و بند کے مصائب ہمیشہ برداشت کرتے رہے۔ تعلیم و تدریس کے ذریعہ سے ایک ایسی جماعت پیدا کردی جس نے اسلام کی بیش بہا خدمت انجام دی۔ امام صاحب کی تصنیفات بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور مختلف علوم میں آپ کے متعدد رسائل اور ضخیم کتابیں ہیں جن کا شمار پانچ سو کے قریب کیا گیا ہے لیکن یہ زمانہ کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکیں، امام صاحب کی تقریباً تیئس ۲۳ کتابیں طبع ہوئی ہیں۔ ان میں سے بعض کے اردو زبان میں ترجمے بھی ہوئے ہیں۔ ان کتابوں کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

امام صاحبؒ کی قابلیت کا یہ حال تھا کہ انہیں تصنیف و تالیف کے لئے کتابوں کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ قید خانوں میں بھی تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہا۔ شعر گوئی کے لئے بھی آپ کی طبیعت موزوں تھی۔ ایک دفعہ کسی یہودی کے سوال کے جواب میں ۱۸۴ اشعار بلا تکلف نظم کر دیئے۔

اخلاقی حیثیت سے امام صاحب کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ امیر، غریب، اعلیٰ، ادنیٰ سب کے ساتھ آپ کا برتاؤ یکساں تھا۔ کسی کی بیماری کی اطلاع ملتے ہی فوراً عیادت کو جاتے اور اگر کسی کی موت کی خبر معلوم ہوتی تو اس کے جنازہ کی نماز میں ضرور شریک ہوتے۔

آپ کی زندگی بہت ہی سادہ اور محدود تھی، اس پر بھی ضرورتمندوں اور سائلوں کا خاص طور سے خیال رکھتے تھے۔ ایک دفعہ سائل نے سوال کیا آپ کے پاس کچھ نہیں تھا، سر سے عمامہ اتار کر آپ نے اس کے دو ٹکڑے کئے، ایک ٹکڑا سائل کو دے دیا اور دوسرا سر پر باندھ لیا۔

امام صاحب کی مطبوعہ تصنیفات کے نام

(۱) فتاویٰ ابن تیمیہ (۲) رسائل کبریٰ (۳) تسعہ رسائل (۴) الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول (۵) منہاج السنۃ (۶) کتاب العقل والنقل (۷) الفرقان بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطان (۸) رد النصاریٰ (۹) کتاب الوسیلہ (۱۰) کتاب الایمان (۱۱) اقتضاء الصراط المستقیم (۱۲) جواب اہل العلم والایمان (قل ھو اللہ احد تعدل ثلث القرآن) (۱۳) رد المنطق (۱۴) اصحاب صفہ (۱۵) تفسیر سورۃ اخلاص (۱۶) شرح حدیث نزول (۱۷) ایضاح الدلالۃ (۱۸) تفسیر سورۃ النور (۱۹) نصیحۃ اہل الایمان

باقی صفحہ ۲۲ پر

بنات الاسلام — خواتین کا صفحہ

زوجۂ طاہرہ

یعنی

حضرت خدیجۃ الکبریٰ

رضی اللہ تعالےٰ عنہا

تحریر: بیگم فخر النساء انور، لاہور

تمام دنیا میں سب سے پہلے ایمان لانے والی اور رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سب سے پہلی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ آپ کا نام خدیجہ رض تھا، لقب طاہرہ۔ والد کا نام خویلد اور والدہ کا نام فاطمہ رض تھا۔ یہ دونوں قریشی النسل تھے اور یوں حضرت خدیجہ رض نہ صرف نجیب الطرفین تھیں بلکہ ان کا شجرہ نسب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے جا ملتا ہے۔ آپ کے والد بہت بڑے تاجر اور عرب کے معزز ترین قبائل بنی تمیم و بنی کعب میں بڑی باعظمت شخصیت کے مالک تھے۔ اپنی دیانت داری کی وجہ سے تمام قریش میں محترم اور باوقار تھے۔

حضرت خدیجہ رض ۵۵۵ء میں پیدا ہوئیں۔ بچپن ہی سے آپ نہایت نیک، پاکباز، بہادر اور شریف الخیال خاتون تھیں۔ جب سنِ شعور کو پہنچیں تو آپ کی شادی خاندان کے ایک شخص ابوہالہ سے ہوئی۔ اس سے آپ رض کے دو لڑکے پیدا ہوئے ہالہ اور ہند۔ ہالہ تو زمانۂ جاہلیت میں مر گیا البتہ ہند آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر ایمان لائے، اصحابِ رسولؐ میں شمار ہوتے اور جنگِ جمل میں حضرت علی رض کی حمایت میں شہید ہوئے ابوہالہ کا انتقال ہو گیا تو حضرت خدیجہ رض کا نکاح ایک شخص عتیق نامی سے ہوا۔ اُن سے بھی ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام ہند تھا۔ یہ ہند بھی نبی کریمؐ کی اولیں صحابیات میں شمار ہوتی تھیں۔ کچھ عرصہ بعد عتیق بھی فوت ہو گئے۔ حضرت خدیجہ رض کی قسمت میں سید المرسلینؐ کی زوجیت کی عزت لکھی ہوئی تھی۔ اس لیے دو نکاح کیے۔ مگر دونوں زندہ نہ رہے۔ اب خدیجہ رض بیوگی کی زندگی بسر کرنے لگیں۔ اگرچہ قریش کے بڑے بڑے لوگ ان کے نکاح کی آرزو کرتے لیکن ان کے لیے ایک خاص فضیلت لکھی تھی انہوں نے نکاح کرنا منظور نہیں کیا۔

رسول اللہؐ کے ساتھ شادی اور تجارت کا ذکر

حضرت خدیجہ رض کے والد بڑھاپے کی وجہ سے اپنی وسیع تجارت سے عاجز آ گئے کیونکہ نرینہ اولاد کوئی زندہ نہ تھی انہوں نے تمام کاروبار اپنی ذہین اور عاقلہ بیٹی کے سپرد کر کے خود گوشہ نشین ہو گئے۔ اور کچھ عرصہ بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ اب حضرت خدیجہ رض کے پاس بہت مال تھا کچھ خاوندوں کا چھوڑا ہوا اور کچھ باپ کے گھر کا تھا اس کو انہوں نے کھویا نہیں بلکہ اپنی خداداد عقل اور عمدہ تدبیر سے بڑھانا شروع کیا اس وقت اُن کی تجارت ایک طرف شام میں پھیلی ہوئی تھی تو دوسری طرف اطراف یمن میں اس کاروبار کو چلانے کے لیے انہوں نے بہت بڑا عملہ رکھا ہوا تھا جو بیسیوں عرب یہودی اور عیسائی ملازموں اور غلاموں پر مشتمل تھا۔ حسن تدبیر اور دیانتداری کی بدولت ان کی تجارت روز بروز ترقی کر رہی تھی۔ اور اب ان کی نظر میں ایک ایسے شخص کی متلاشی تھیں جو بے حد قابل، ذہین اور دیانتدار ہو تاکہ وہ اپنے ملازمین کو اس کی سرکردگی میں تجارتی قافلوں کے ہمراہ باہر بھیجا کریں۔

(جاری ہے)

بقیہ: امام ابن تیمیہؒ

فی الرد علی منطق الیونان (۲۰) ابطال التحلیل (۲۱) الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح۔ (۲۲) السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ (۲۳) رسالہ خلاف الامۃ (۲۴) رسالہ رفع الملام (۲۵) درجات الیقین (۲۶) الوصیۃ الکبریٰ (۲۷) الوصیۃ الصغریٰ (۲۸) الواسطہ (۲۹) العقیدۃ الواسطیہ (۳۰) بحث فی مسئلۃ الطلاق۔

غدّار

غم جو ملّت کا کھائے، وُہ غدّار ہے — حرفِ حق لب پہ لائے، وُہ غدّار ہے

جو کرے سازشیں، وُہ محبِّ وطن — سازشیں جو مٹائے، وُہ غدّار ہے

جو چمن بیچ ڈالے، محبِّ وطن — قوم کو جو بچائے، وُہ غدّار ہے

شجرِ ملّت جو کاٹے، محبِّ وطن — خونِ دل جو پلائے، وُہ غدّار ہے

جو وطن بیچ کھائے، محبِّ وطن — جو خدا سے ڈرائے، وُہ غدّار ہے

یہ بتانِ امارت، محبِّ وطن — اِن بتوں کو جو ڈھائے، وُہ غدّار ہے

یہ سیاسی مچھیرے، محبِّ وطن — اِن پہ کانٹی جو پائے، وُہ غدّار ہے

جو عروسی میں بیٹھے، محبِّ وطن — دار پر جو بلائے، وُہ غدّار ہے

موت سے جی چرائے، محبِّ وطن — کوئی مقتل سجائے، وُہ غدّار ہے

راجپالوں کا ٹولہ، محبِّ وطن — جو انہیں حق سنائے، وُہ غدّار ہے

جس کو دشمن پنچ دے، محبِّ وطن — جو پنچنی نہ کھائے، وُہ غدّار ہے

اس زمانہ میں رہزن، محبِّ وطن — کوئی رہبر جو آئے، وُہ غدّار ہے

تجھ سے نالاں ہیں اختر، محبِّ وطن
یہ نظم جو سنائے، وُہ غدّار ہے

اختر کاشمیری

ٹیلیفون نمبر ۶۷۵۲۵

The Weekly "KHUDDAMUDDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۲۷

منظور شدہ محکمۂ تعلیم (۱) لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری G/۱۲۳۲۱ مورخہ ۲ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C ۲۲۷-۲۲۸۱ مورخہ ۶ ستمبر ۱۹۵۶ء
(۳) کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۲۹/۹/۶۷-۴۰۱۹ D.D4 مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۶۷ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ چٹھی نمبر G.M/۳۰-۱۵۲۱۰ مورخہ ۳ مارچ ۱۹۶۷ء

عبید اللہ انور پبلشر نے باہتمام کیمبرج پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا۔